بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ

ماہنامہ الحدیث حضرو

نضر الله امرأ سمع منا حديثاً فحفظه حتى يبلغه

جلد: 6 | جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ مئی ۲۰۰۹ء | شمارہ: 5

قیمت

فی شمارہ : 20 روپے

سالانہ : 200 روپے

علاوہ محصول ڈاک

پاکستان: مع محصول ڈاک

250 روپے

اس شمارے میں

کلمۃ الحدیث	حافظ زبیر علی زئی	2
فقہ الحدیث	حافظ زبیر علی زئی	3
توضیح الاحکام	حافظ زبیر علی زئی	9
آلِ دیوبند اپنے خود ساختہ اصولوں کی زد میں (قسط ۵)	محمد زبیر صادق آبادی	12
خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے	حافظ زبیر علی زئی	22
اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر ۱۰)	حافظ زبیر علی زئی	39
صحیح حدیث وحی ہے	حافظ زبیر علی زئی	49

خط و کتابت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

ناشر حافظ شیر محمد

0300-5288783

مقامِ اشاعت

مکتبۃ الحدیث

حضرو ضلع اٹک

برائے رابطہ

0302-5756937

کلمۃ الحدیث حافظ زبیر علی زئی

محدثین کی برتری

امام ابوحاتم الرازی اور امام ابوزرعہ الرازی وغیرہما کے سچے استاذ ابومحمد عبداللہ بن الحسن الہسنجانی رحمہ اللہ نے فرمایا: میں مصر میں تھا تو جامع مسجد میں اُن لوگوں کا قاضی دیکھا، میں بہت زیادہ بیمار تھا، میں نے اُس قاضی کو یہ کہتے ہوئے سنا: ''اصحاب الحدیث مسکین ہیں، وہ اچھے طریقے سے فقہ نہیں جانتے۔'' تو میں (بیماری کی وجہ سے زمین پر) گھسٹتے ہوئے اُس کے پاس گیا اور اُسے کہا: مردوں اور عورتوں کے زخموں (ایک دوسرے کو زخمی کرنے کی دِیتوں) کے بارے میں نبی ﷺ کے صحابہ کا اختلاف تھا۔ بتاؤ کہ (سیدنا) علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے کیا فرمایا تھا؟ (سیدنا) زید بن ثابت (رضی اللہ عنہ) نے کیا کہا تھا؟ اور (سیدنا) عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے کیا فرمایا تھا؟ وہ ہکا بکا، ساکت اور لاجواب ہو کر چُپ ہو گیا تو میں نے اُسے کہا: تُو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اصحاب الحدیث اچھے طریقے سے فقہ نہیں جانتے (!) اور میں اصحاب الحدیث میں سے ایک ادنیٰ فرد ہوں، میں نے تجھ سے یہ (ایک) مسئلہ پوچھا ہے جسے تو اچھے طریقے سے نہیں جانتا لہٰذا تُو کس طرح اُن پر تنقید کرتا ہے کہ وہ ایک چیز نہیں جانتے اور حال یہ ہے کہ تُو خود نہیں جانتا؟

(کتاب الضعفاء لابی زرعۃ الرازی ج۲ص۷۷۳، ۷۷۴، شرف اصحاب الحدیث للخطیب: ۱۵۳، وسندہ صحیح)

اس سچے واقعے سے ثابت ہوا کہ اہلِ حدیث (محدثین کرام) کو اہل الرائے اور نام نہاد فقہاء پر ہر دور میں برتری حاصل رہی ہے اور ''فقہاء'' بنے ہوئے لوگ جو کتاب وسنت اور آثار سے بالکل کورے اور جاہل ہوتے ہیں، ہر دور میں محدثینِ کرام کے مقابلے میں لاجواب اور شکست خوردہ رہتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور جن کو علم عطا ہوا ہے، اللہ ان کے درجے بلند کرے گا'' (المجادلہ: ۱۱، الکتاب ص ۸۲۳)

اہلِ بدعت کا احترام نہ کرنا ایمان میں سے ہے

۱۸۶) **وعن مالك بن أنس مرسلاً قال قال رسول الله ﷺ :**
((تركت فيكم أمرين لن تضلوا ما تمسكتم بهما : كتاب الله و سنة رسوله .))
رواه في الموطأ .

اور (امام) مالک بن انس (المدنی رحمہ اللہ) سے مرسل (یعنی ضعیف) روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، اگر تم انھیں مضبوطی سے پکڑ لو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے: اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

اسے انھوں (امام مالک) نے موطأ (۸۹۹/۲ ح ۱۷۲۷) میں روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ روایت امام مالک نے معضل (منقطع اور بغیر سند کے) بیان کی ہے لیکن اس کے بہت سے شواہد ہیں:

① رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**ألا و إني تارك فيكم الثقلين : أحدهما كتاب الله ...**)) سن لو! میں تمھارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں: اُن میں ایک کتاب اللہ ہے... (صحیح مسلم: ۲۴۰۸، دارالسلام: ۶۲۲۸)

پھر آپ نے اپنے اہلِ بیت کا ذکر کیا۔

② رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**فمن رغب عن سنتي فليس مني .**)) پس جس نے میری سنت سے منہ موڑا تو وہ مجھ سے نہیں ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۰۶۳، صحیح مسلم: ۱۴۰۱)

③ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **ولو تركتم سنة نبيكم لضللتم** '' اگر تم نبی (ﷺ) کی سنت ترک کر دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

(صحیح مسلم:۶۵۴، دارالسلام:۱۴۸۸)

دیگر شواہد کے لئے دیکھئے سرفراز صفدر دیوبندی کی کتاب: راہِ سنت (ص ۲۵)

ان صحیح شواہد کے ساتھ درج بالا حدیث حسن ہے۔ والحمدللہ

مہر محمد میانوالوی دیوبندی نے اس حدیث کے بارے میں اہلِ سنت سے نقل کیا ہے کہ "صحیح ہے۔" (شیعہ کے ہزار سوال کا جواب ص ۴۹۳ جواب سوال نمبر ۸۳۱)

تنبیہ: روایتِ مذکورہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ قرآن وحدیث کے علاوہ اور کچھ بھی حجت نہیں۔ قرآن سے عموماً اور حدیثِ صحیح سے خصوصاً یہ ثابت ہے کہ اجماع شرعی حجت ہے اور اسی طرح دلائلِ شرعیہ سے اجتہاد کا جواز ثابت ہے۔

۱۸۷) وعن غضيف بن الحارث الثمالي قال قال رسول الله ﷺ :

((ما أحدث قوم بدعة إلا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنةٍ خير من إحداث بدعة .)) رواه أحمد.

اور غضیف بن الحارث الثمالی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس قوم نے کوئی بدعت نکالی تو اُن سے اُس جیسی سنت اٹھالی گئی لہٰذا سنت کو مضبوطی سے پکڑنا بدعت ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔

اسے احمد (۱۰۵/۴ ح ۱۷۰۹۵) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

اس روایت کا بنیادی راوی ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم الغسانی ضعیف ہے۔

دیکھئے تقریب التہذیب (۷۹۷۴) اور سنن ابی داود (۴۲۹۵ بتحقیقی)

۱۸۸) وعن حسان قال : ما ابتدع قوم بدعة في دينهم إلا نزع الله من سنتهم مثلها ثم لا يعيدها إليهم إلى يوم القيامة. رواه الدارمي .

حسان (بن عطیہ تابعی رحمہ اللہ) نے فرمایا: جو قوم بھی اپنے دین میں کوئی بدعت نکالتی ہے تو اللہ اُن سے اُس جیسی سنت کھینچ لیتا ہے پھر اسے قیامت تک ان کی طرف واپس نہیں بھیجتا۔

اسے دارمی (۱/۴۵ ح ۹۹) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند صحیح ہے۔

یہ تابعی کا قول ہے جسے اصولِ حدیث میں مقطوع کہتے ہیں۔ امام دارمی سے لے کر حسان بن عطیہ تک سند صحیح ہے۔

۱۸۹) وعن إبراهيم بن ميسرة قال قال رسول الله ﷺ :

((مَنْ وَقّر صاحب بدعةٍ فقد أعان على هدم الإسلام .))

رواه البيهقي في شعب الإيمان مرسلاً .

ابراہیم بن میسرہ (رحمہ اللہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس نے کسی بدعتی کی تعظیم کی تو اس نے اسلام کے گرانے میں تعاون کیا۔ اسے بیہقی نے شعب الایمان (۹۴۶۴، دوسرا نسخہ: ۹۰۱۸) میں مرسلاً (یعنی منقطع) روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: اس کی سند ضعیف ہے۔

یہ روایت دو وجہ سے ضعیف ہے:

① مرسل ہے۔

② ابو ہمام (راوی) کا تعین نامعلوم ہے۔ شعب الایمان (طبع جدید) کے محقق مختار احمد ندوی نے ابو ہمام کو ابو ہشام (محمد بن نصر بن سعید الکرمانی) قرار دے کر کہا: مجھے اس کے حالات نہیں ملے۔ (ج ۱۲ ص ۵۷ ح ۹۰۱۸)

امام ابوبکر محمد بن الحسین الآجری (متوفی ۳۶۰ھ) نے کہا: ''**حدثنا أبو الفضل العباس ابن يوسف الشكلي قال: حدثنا أحمد بن سفيان المصري قال: حدثنا يحي ابن عبدالله بن بكير المخزومي قال: حدثنا الليث بن سعد قال: حدثني هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت : قال رسول الله ﷺ :**

((من وقر صاحب بدعة فقد أعان على هدم الإسلام .)) ''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی بدعتی کی عزت کی تو اس نے اسلام کو گرانے میں مدد

کی۔ (کتاب الشریعۃ طبع جدید ص۹۶۲ ح ۲۰۴۰)

اس حدیث کے راویوں کا مختصر تعارف درج ذیل ہے:

① ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہا

② عروہ بن الزبیر: **ثقة فقيه مشهور .** (تقریب التہذیب:۴۵۶۱)

③ ہشام بن عروہ: **ثقة إمام في الحديث .** (کتاب الجرح والتعدیل ۹/۶۴)

وهو بريئ من التدليس .

④ لیث بن سعد: **ثقة ثبت فقيه إمام مشهور.** (تقریب التہذیب:۵۶۸۴)

⑤ یحییٰ بن عبداللہ بن بکیر: **ثقة في الليث إلخ .** (تقریب التہذیب:۷۵۸۰)

⑥ احمد بن سفیان النسائی: **صدوق مصنف .** (تقریب التہذیب:۴۲)

⑦ عباس بن یوسف الشکلی: **مقبول الرواية .** [اس کی روایت مقبول ہے]

(تاریخ الاسلام للذہبی ۲۳/۴۷۹، الوافی بالوفیات ۱۶/۳۷۳)

ذہبی اور صفدی کی توثیق کے بعد عرض ہے کہ عباس بن یوسف مذکور (متوفی ۳۱۴ھ) کے بارے میں خطیب بغدادی اور ابن الجوزی نے کہا: ''**و كان صالحًا متنسكًا** '' اور وہ نیک، دیندار تھے۔ (تاریخ بغداد ۱۲/۱۵۳، ۱۵۴ ت ۶۶۲۳، المنتظم ۱۳/۲۵۷)

ان سے شاگردوں کی ایک جماعت نے حدیثیں بیان کی ہیں۔ تیسری صدی ہجری کے بعد مشہور عالم پر اگر جرح نہ ہو تو اُس کی توثیق کی صراحت ضروری نہیں ہے بلکہ علم، فقاہت، نیکی اور دینداری کے ساتھ مشہور ہونے کا یہی مطلب ہے کہ ایسے شخص کی حدیث حسن کے درجے سے کبھی نہیں گرتی اور اس کا مقام کم از کم صدوق ضرور ہوتا ہے۔

حافظ ذہبی اور علامہ صفدی کی واضح توثیق کے بعد شیخ البانی کا عباس بن یوسف کی وجہ سے اپنے سلسلہ ضعیفہ (ح ۱۸۶۲) میں اس روایت کو ضعیف قرار دینا بہت ہی عجیب و غریب ہے۔

مٹھیاں بند کر کے نماز میں اٹھنے والی روایت کے راوی ہیثم بن عمران الدمشقی (متوفی ۱۹۹ھ) جن کی کوئی معتبر توثیق ثابت نہیں اور نہ نیک اور دیندار ہونا معلوم ہے، لیکن البانی

صاحب نے اس کی روایت کوحسن کہا۔ (دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ ۳۹۲/۲ ح ۹۶۷) اور نیک اور دیندار مقبول الروایت عباس بن یوسف کی روایت کوضعیف قرار دیا، کیا انصاف ہے۔!!

خلاصۃ التحقیق: امام ابوبکر الآجری والی روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اہلِ بدعت سے بغض رکھنا ایمان میں سے ہے اور دین کا بنیادی مسئلہ ہے۔

۱۹۰) وعن ابن عباس قال :من تعلم كتاب الله ثم اتبع ما فيه، هداه الله من الضلالة فی الدنيا ووقاه يوم القيامة سوء الحساب .و في رواية قال : من اقتدى بكتاب الله لا يضل في الدنيا ولا يشقى فی الآخرة - ثم تلا هذه الآية :﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ رواه رزين.

اور (سیدنا) ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا پھر جو اس میں ہے اُس کی اتباع کی، اللہ اسے دنیا کی گمراہی سے (نکال کر) ہدایت دے گا اور قیامت کے دن بُرے عذاب سے بچائے گا۔

ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے فرمایا: جس نے کتاب اللہ کی اقتدا کی، وہ دنیا میں گمراہ نہیں ہوگا اور آخرت میں بدنصیب نہیں ہوگا پھر انھوں نے اس (مذکورہ) آیت کی تلاوت کی: جس نے میری ہدایت کی پیروی کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔

اسے رزین (؟) نے روایت کیا ہے۔

تحقیق الحدیث: یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے بے اصل ہے۔

مستدرک الحاکم (۳۸۱/۲ ح ۳۴۳۸) کی ایک روایت میں آیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جو شخص قرآن پڑھے اور اس میں جو ہے اُس کی اتباع کرے تو اللہ اسے گمراہی سے ہدایت دے گا اور قیامت کے دن بُرے حساب سے بچائے گا اور یہ اس طرح ہے کہ اللہ نے فرمایا: پس جس نے میری ہدایت کی اتباع کی تو وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ بدنصیب ہوگا۔

(طٰہٰ:۱۲۳)

اس کی سند عطاء بن السائب کے اختلاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ مصنف عبدالرزاق (۳/۳۸۲ ح ۶۰۳۳) مصنف ابن ابی شیبہ (۱۰/۴۶۷، ۴۶۸ ح ۲۹۹۴۶، ۱۳/۳۷۱، ۳۷۲ ح ۳۷۷۰۷) اورتفسیر طبری (۱۶/۱۶۳) میں اس کے ضعیف شواہد بھی ہیں جن کے ساتھ یہ روایت ضعیف ہی ہے۔ اس باب میں ایک مرفوع روایت بھی ہے جو کہ سخت ضعیف ہے۔ دیکھئے السلسلۃ الضعیفۃ (۱۰/۳۳ ح ۴۵۳۱)

اس سلسلے کی ایک دوسری مرفوع روایت بھی ہے۔ (دیکھئے المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲/۴۸ ح ۱۲۴۳۷)

اس کی سند عمران بن ابی عمران کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

نیز دیکھئے مجمع الزوائد (۷/۶۷)

فتنہ انکارِ حدیث کی ابتدا خوارج نے کی تھی

ہمارے علم کے مطابق سب سے پہلے خوارج نے قرآن ماننے کا دعویٰ کر کے حدیث کا انکار کیا جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اور وہ قرآن پڑھیں گے جو اُن کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ (صحیح بخاری: ۵۰۵۸، صحیح مسلم: ۱۰۶۴)

یعنی خوارج نہ تو قرآن پر عمل کریں گے اور نہ قرآن کا مفہوم سمجھیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے خوارج کو ''کلاب النار'' [جہنم کے کتے] قرار دیا ہے۔

دیکھئے مسند احمد (۴/۳۸۲ ح ۱۹۴۱۵، وسندہ حسن)

سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے خوارج کو کلاب النار کہا اور اسے مرفوعاً یعنی نبی ﷺ سے بھی بیان کیا۔ (مسند احمد ۵/۲۵۳ ح ۲۲۱۸۳ وسندہ حسن، مسند احمد ۵/۲۵۰ ح ۲۲۱۵۱ میں اس کا حسن شاہد بھی ہے)

خوارج کی تقلید کرتے ہوئے روافض، معتزلہ، جہمیہ اور منکرینِ حدیث نے بھی صحیح احادیث کی حجیت کا انکار کیا اور قرآن کو رسول کے بغیر سمجھنے کا زبانِ حال سے دعویٰ کیا۔

یہاں یہ بات انتہائی قابلِ ذکر ہے کہ اُمت میں فتنۂ انکارِ حدیث کی پیش گوئی نبی کریم ﷺ نے اس فتنے کے وقوع سے پہلے کر دی تھی۔ (دیکھئے سنن ابی داود: ۴۶۰۴ وسندہ صحیح)

حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

نماز میں رکوع سے پہلے اور بعد: رفع الیدین

سوال: جب ہم علماء سے سوال کرتے ہیں کہ کیا نماز میں رفع یدین کرنا جائز ہے؟ تو جواب ملتا ہے کہ اُس وقت لوگ بغلوں میں بُت دے کر آتے تھے۔ کیا یہ صحیح کہتے ہیں؟

(حاجی نذیر خان داماں، حضرو)

جواب: بغلوں میں بُت دے کر آنے والی بات اور بُتوں کے ساتھ نماز پڑھنے کا قصہ بالکل جھوٹ ہے جس کا کوئی ثبوت حدیث کی کسی کتاب میں سند کے ساتھ موجود نہیں ہے۔

اس کے برعکس صحیح بخاری (٧٣٦) اور صحیح مسلم (٣٩٠) میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، آپ جب نماز میں کھڑے ہوتے تو کندھوں تک رفع یدین کرتے، رکوع کرتے وقت بھی آپ اسی طرح کرتے تھے اور جب رکوع سے سر اُٹھاتے تو اسی طرح کرتے تھے اور فرماتے: ((سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ .)) اور سجدے میں آپ ایسا نہیں کرتے تھے۔ (صحیح بخاری ج۱ص۱۰۲)

اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے، رکوع کے بعد اور دو رکعتیں پڑھ کر کھڑے ہوتے تو رفع یدین کرتے تھے اور فرماتے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: ٧٣٩ وسندہ صحیح، شرح السنۃ للبغوی ۳/۲۱ ح ۵٦۰ وقال: ''ھذا حدیث صحیح'')

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی، اُن کے بیٹے سالم بن عبداللہ بن عمر رحمہ اللہ بھی شروع نماز، رکوع کے وقت اور رکوع سے اٹھنے کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔

(حدیث السراج ۲/۳۴، ۳۵ ح ۱۱۵، وسندہ صحیح)

فائدہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں فرمایا: ((صلّى بنا النبي صلی اللہ علیہ وسلم

العشاء في آخر حياته فلما سلّم قام......)) نبی ﷺ نے اپنی زندگی کے آخری دور میں ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی پھر جب آپ نے سلام پھیرا تو کھڑے ہوگئے۔
(صحیح بخاری:١١٦، صحیح مسلم:٢٥٣٧)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کو آخری دور میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا لہٰذا آپ کا رفع یدین روایت کرنا آخری عمل ہے۔

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی، آپ نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وقال: ''رواتہ ثقات'' وسندہ صحیح)

اس حدیث کے راوی سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وسندہ صحیح)

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کے راوی سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وقال الذہبی فی المہذب فی اختصار السنن الکبیر ٢/٤٩ ح ١٩٤٣: ''رواتہ ثقات'' وسندہ صحیح)

سیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے شاگرد (مشہور ثقہ تابعی امام) عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔
(السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وسندہ صحیح، وقال ابن حجر فی التلخیص الحبیر ١/٢١٩ ح ٣٢٨: ''ورجالہ ثقات'')

عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے شاگرد ایوب السختیانی رحمہ اللہ بھی نماز شروع کرتے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وسندہ صحیح)

ایوب السختیانی رحمہ اللہ کے شاگرد (تبع تابعی) حماد بن زید رحمہ اللہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وسندہ صحیح)

حماد بن زید رحمہ اللہ کے شاگرد ابوالنعمان محمد بن الفضل السدوسی رحمہ اللہ بھی شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ٢/٣٧ وسندہ صحیح)

ابوالنعمان محمد بن الفضل رحمہ اللہ کے شاگرد امام بخاری رحمہ اللہ بھی رفع یدین کرتے تھے بلکہ آپ نے رفع یدین کے اثبات پر ایک کتاب ''جزء رفع الیدین'' لکھی ہے جو مطبوع و مشہور ہے۔

معلوم ہوا کہ رفع یدین پر مسلسل عمل دورِ نبوی، دورِ صحابہ، دورِ تابعین، دورِ تبع تابعین اور بعد کے ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے لہٰذا اسے منسوخ یا متروک سمجھنا یا بغلوں میں بُتوں والے جھوٹے قصے کے ساتھ اس کا مذاق اُڑانا اصل میں حدیث اور سلف صالحین کے عمل کا مذاق اڑانا ہے۔

اگر رفع یدین منسوخ یا متروک ہوتا تو سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ کبھی رفع یدین نہ کرتے کیونکہ انھوں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آخری نمازیں پڑھی تھیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے مصلے پر امام مقرر کیا تھا۔

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے میری کتاب ''نور العینین فی (اثبات) مسئلہ رفع الیدین'' (ص۱۱۹۔۱۲۱) والحمد للہ (۱۷/ دسمبر ۲۰۰۸ء)

سوال: کیا نماز میں رفع یدین کرنے سے نیکیاں ملتی ہیں؟

(حاجی نذیر خان داماں، حضرو)

الجواب: جی ہاں! سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''**إنه یکتب في کل إشارة یشیرها الرجل بیده فی الصلٰوة بکل إصبع حسنة أو درجة**'' نماز میں جو شخص (مسنون) اشارہ کرتا ہے، اسے ہر اشارے کے بدلے میں ہر انگلی پر ایک نیکی یا ایک درجہ ملتا ہے۔ (المعجم الکبیر للطبرانی ۲۹۷/۱۷ ح ۸۱۹ وسندہ حسن، مجمع الزوائد ۱۰۳/۲، وقال الہیثمی: ''واسنادہ حسن''، معرفت السنن والآثار للبیہقی ج۱ ص۲۲۵ قلمی)

اس روایت پر مفصل تحقیق کے لئے دیکھئے نور العینین (ص۱۸۱۔۱۸۶)

یاد رہے کہ رفع یدین نہ کرنے پر کسی نیکی یا ثواب کا ملنا کسی بھی حدیث یا اثر سے ثابت نہیں ہے۔

زبیر صادق آبادی

آلِ دیوبند اپنے خودساختہ اصولوں کی زد میں
(قسط نمبر ۵)

٤٦) منیر احمد ملتانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''بغیر اہلیّت اجتہاد کے دعوی اجتہاد کوئی پاگل ہی کرسکتا ہے۔ نہ عقل مند! '' (۱۲ مسائل ص ۸، دوسرا نسخہ ص ۱۰)
سرفراز صفدر دیوبندی نے خود اپنے بارے میں لکھا ہے: ''مگر جس چیز کا نام علمی طور پر اجتہاد ہے راقم اثیم اپنے آپ کو واللہ باللہ اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا بقدر وسعت صرف کتابوں کے حوالے دے سکتا ہے اور بس'' (الکلام المفید ص ٦٧)
دوسری طرف سرفراز صفدر نے اپنی ایک اور کتاب احسن الکلام میں خود اپنے بارے میں لکھا ہے: ''اس کے علاوہ کہیں کہیں میرے اپنے استنباطات اور اجتہادات بھی ہوں گے۔ ان میں غلطی کا واقع ہونا بہت اغلب ہے، '' (احسن الکلام جلد ۱ ص ۴۱)
اب دیوبندی بتائیں! کہ منیر احمد ملتانی جھوٹا ہے یا سرفراز صفدر پاگل ہے؟!
تنبیہ: اگر کوئی دیوبندی کہے کہ سرفراز صفدر نے اپنے اجتہادات میں غلطی واقع ہونے کا امکان ظاہر کردیا ہے تو پھر اعتراض کیسا؟ تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ دیوبندیوں کے ''شیخ الاسلام'' مفتی محمد تقی عثمانی نے لکھا ہے: ''اور آئمہ مجتہدین کے بارے میں تمام مقلّدین کا عقیدہ یہ ہے کہ اُن کے ہر اجتہاد میں خطاء کا احتمال ہے، ''
(تقلید کی شرعی حیثیت ص ۱۲۵)

٤٧) ایک اہلِ حدیث عالم محمد ایوب صاحب سے مخاطب ہو کر ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''ان کا فرض تھا کہ وہ کسی حدیث کی صحت اور ضعف دلیل شرعی سے ثابت کرتے اور دلیل شرعی ان کے ہاں صرف اور صرف فرمان خدا اور فرمان رسول ہے۔''
(تجلیات صفدر جلد ۷ ص ۲۰۰)

قطع نظر اس سے کہ اہلِ حدیث کے نزدیک اجماع اور اجتہاد حجت ہے یا نہیں ہم یہاں اس بحث کو نظر انداز کرتے ہیں، البتہ ماسٹر امین کے اصولوں کے مطابق جو شخص جتنے دلائل کا قائل ہوگا حدیث کو صحیح یا ضعیف کہنے میں بھی انھیں دلائل سے ثابت کرنے کا پابند ہوگا۔

سرفراز صفدر کے بیٹے عبدالحق نقشبندی نے لکھا ہے: ''دلائل شرعیہ چار ہیں۔(۱) قرآن حکیم ...(۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....(۳) اجماعِ امت (۴) قیاس مجتہد....ان ہی دلائل اربعہ کو اصول فقہ کہا جاتا ہے۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب ص ۱۳)

اب دیوبندیوں کو چاہئے تھا کہ ماسٹر امین اوکاڑوی کے اصول کے مطابق حدیث کو صحیح یا ضعیف بھی اللہ تعالیٰ سے یا رسول اللہ ﷺ سے یا اجماع امت سے یا امام ابوحنیفہ سے ثابت کرتے مگر افسوس! کہ دیوبندی ماسٹر امین کے اصول کی پابندی نہ کر سکے بلکہ خود ماسٹر اکاڑوی بھی اپنے اصول کی پابندی نہ کر سکا۔

مثال کے طور پر سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی رفع یدین والی حدیث جو عبدالحمید بن جعفر رحمہ اللہ نے بیان کی ہے۔اس حدیث کو دیوبندیوں کے شیخ الحدیث فیض احمد ملتانی نے صحیح کہا ہے۔دیکھئے نماز مدلل (ص ۱۳۷، ۱۳۸)

اور ماسٹر امین اوکاڑوی نے ضعیف کہا ہے۔دیکھئے تجلیات صفدر (جلد ۲ ص ۲۹۷)

اب دیوبندی بتائیں! کہ فیض احمد ملتانی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق اس حدیث کو صحیح کہا ہے؟ یا رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے؟ یا اجماع امت سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے؟ یا امام ابوحنیفہ کے قول سے اس حدیث کو صحیح کہا ہے؟!

لیکن ماسٹر اوکاڑوی نے چونکہ اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لہٰذا دیوبندی بتائیں کیا اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے یا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے یا اس حدیث کو امام ابوحنیفہ نے ضعیف کہا ہے؟ اگر کسی دیوبندی نے پہلی تین دلیلوں میں سے کسی ایک کا بھی نام لیا تو مندرجہ ذیل باتوں میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ثابت ہو جائے گی:

① اللہ تعالیٰ نے تو اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن اوکاڑوی ضعیف کہتا ہے۔
② اللہ تعالیٰ نے تو اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن فیض احمد ملتانی صحیح کہتا ہے۔
③ نبی ﷺ نے تو اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن اوکاڑوی ضعیف کہتا ہے۔
④ نبی ﷺ نے تو اس حدیث کو ضعیف کہا ہے لیکن فیض احمد ملتانی صحیح کہتا ہے۔
⑤ اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے لیکن اوکاڑوی اسے ضعیف کہتا ہے۔
⑥ اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اجماع ہے لیکن فیض احمد ملتانی اسے صحیح کہتا ہے۔

اجماع کے متعلق ماسٹر اوکاڑوی کا قول ہے: ''اجماع اُمت کا مخالف بنصِ کتاب وسنت دوزخی ہے۔'' (تجلیات صفدر جلد ۱ ص ۲۸۷)

اب رہی بات قیاس مجتہد کی، اگر امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے تو اوکاڑوی نے ضعیف کہہ کر امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے اور اگر امام ابوحنیفہ نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے تو فیض احمد ملتانی نے صحیح کہہ کر امام ابوحنیفہ کی مخالفت کی ہے۔!

اگر امام ابوحنیفہ نے نہ اس حدیث کو صحیح کہا ہے نہ ضعیف تو دیوبندی اصولوں کے مطابق چار دلیلوں کے سوا اور کوئی دلیل ہے ہی نہیں کیونکہ سرفراز صفدر کے بیٹے عبدالحق نقشبندی نے لکھا ہے: ''دلائل شرعیہ چار ہیں۔(۱) قرآن حکیم ... (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ....(۳) اجماعِ امت (۴) قیاس مجتہد....ان ہی دلائل اربعہ کو اصول فقہ کہا جاتا ہے۔''

(مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب ص ۱۳)

مزید لکھا ہے: ''جب یہ معلوم اور واضح ہو چکا کہ مقلد اپنی فقہ اور اصول فقہ کی روشنی میں دلائل اربعہ کے دائرہ میں بند رہنے کا پابند ہوتا ہے۔ اور ان سے باہر نکلنے کی صورت میں وہ مقلد رہتا ہی نہیں۔'' (مرزا غلام احمد قادیانی کا فقہی مذہب ص ۱۴)

اب ظاہر ہے فیض احمد ملتانی اور ماسٹر اوکاڑوی دونوں (اگر امام ابوحنیفہ کی طرف کوئی جھوٹی بات منسوب نہ کریں تو بھی) دیوبندی اصولوں کے مطابق دلائل اربعہ کے دائرے سے نکل چکے ہیں اور مقلد نہیں رہے ورنہ ایک تو ان دونوں میں سے یقینی طور پر دلائل اربعہ

کے دائرے سے نکل چکا ہے اور مقلد نہیں رہا۔ اور تقلید کے ترک کرنے والے کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے خود لکھا ہے: ''دیکھا تقلید چھوڑنے کا بدنتیجہ، سب کچھ گیا، اب ایک چمٹا ہاتھ میں لے لو اور گلی بازار میں چمٹا بجاتے پھرو اور گاتے پھرو۔

مجرد سب سے اعلیٰ ہے نہ جورو ہے نہ سالا ہے'' (تجلیات صفدر جلد ٦ ص ٢٧)

اب دیوبندی بتائیں! کہ کیا فیض احمد ملتانی اور ماسٹر امین اوکاڑوی اس لائق تھے کہ چمٹا بجاتے پھرتے اور گاتے پھرتے یا ماسٹر اوکاڑوی اصول بنانے میں جھوٹا ہے؟!

تنبیہ: اگر کوئی دیوبندی کہے کہ ماسٹر امین اوکاڑوی اور فیض احمد ملتانی دونوں مجتہد تھے دونوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق حدیث کو صحیح یا ضعیف کہا ہے۔

تو عرض ہے کہ خود ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے: ''خیر القرون کے بعد اجتہاد کا دروازہ بھی بند ہو گیا اب صرف اور صرف تقلید باقی رہ گئی۔'' (تقریظ علی الکلام المفید ص س)

منیر احمد ملتانی دیوبندی نے لکھا ہے: ''بغیر اہلیّت اجتہاد دعوی اجتہاد کوئی پاگل ہی کر سکتا ہے۔ نہ عقل مند!'' (١٢ مسائل ص ٨، دوسرا نسخہ ص ١٠)

٤٨) مفتی جمیل دیوبندی کے بقول کسی رفع یدین کے قائل نے ترک رفع یدین کی ایک روایت پر ایک اعتراض یہ کیا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے تساہلاً حسن کہہ دیا ہے تو مفتی جمیل نے اس کا جواب یوں دیا: ''اور اگر تساہلاً کہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ امام ترمذیؒ جیسا عظیم محدث، حدیث کے متعلق رائے دینے کے معاملے میں انتہائی غیر ذمہ دار واقع تھا۔ یہ امام ترمذیؒ پر وہ الزام ہے جس کا جواب قائلین رفع کے ذمہ ہے۔''

(رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز ص ٢١٢)

دوسری طرف آل دیوبند کے شیخ الہند محمود حسن دیوبندی نے کہا: ''اگرچہ ترمذی اس کو حسن کہتے ہیں۔ لیکن محمد بن اسحاق کی جس قدر تضعیف کی گئی ہے اس سے ... یہ قابل عمل نہ رہی ...'' (تقاریر شیخ الہند ص ٦٨)

سنن ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے جرابوں پر مسح کیا (ح ٩٩ وقال:

''ھذا حدیث حسن صحیح '')اس حدیث کے متعلق تقی عثمانی دیوبندی نے کہا:
''اس حدیث کی تصحیح میں امام ترمذیؒ سے تسامح ہوا ہے، '' (درس ترمذی جلد ا ص ٣٣٦)
اسی حدیث کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے لکھا ہے:''امام ترمذیؒ اس بارے میں متساہل ہیں.....'' (تجلیات صفدر جلد ٢ ص ١٧٦)

اب دیوبندی بتائیں ! کہ محمود حسن ،تقی عثمانی اور ماسٹر امین اوکاڑوی نے بھی امام ترمذی رحمہ اللہ پر وہ الزام لگایا ہے جس کا جواب ان دیوبندیوں کے ذمہ ہے یا مفتی جمیل الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟!

٤٩) فقیر اللہ دیوبندی نے ایک راوی جعفر بن میمون کا دفاع کرتے ہوئے لکھا ہے:
''امام حاکم اور علامہ ذہبی رحمہما اللہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث''لا صلوٰۃ الخ '' کے بارے میں متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ اس کی سند یا متن پر کوئی غبار نہیں ہے یعنی کسی قسم کی کوئی جرح نہیں ہے۔امام ابوداؤد اور علامہ منذری رحمہما اللہ بھی اس پر کسی قسم کی جرح سے خاموش ہیں مگر حضرات غیر مقلدین کی کمین گاہ سے روایتی غیر مقلدانہ تیر ونشتر کے ساتھ اس کے راوی جعفر بن میمون کو نہایت بُری طرح سے مجروح کیا گیا ہے
دیکھئے توضیح الکلام ج ا ص ١٣٠، ١٣١ '' (خاتمۃ الکلام ص ٥٥٧)

دوسری طرف ایک راوی نافع بن محمود رحمہ اللہ کی بیان کردہ حدیث کو بھی حاکم اور ذہبی نے صحیح کہا ہے اور امام ابوداود اور علامہ منذری نے اس پر سکوت کیا ہے۔
چنانچہ فقیر اللہ دیوبندی نے خود لکھا ہے:''بے شک امام حاکم نے نافع بن محمود کی حدیث کو صحیح کہا ہے اور علامہ ذھبی نے بھی اس کے ساتھ موافقت کی ہے مگر...'' (خاتمۃ الکلام ص ٤٥٠)

اور اپنی اسی کتاب میں نافع بن محمود کی حدیث پر امام ابو داود اور علامہ منذری کے سکوت کا جواب یوں دیا:''جب نافع کو دوسرے محدثین نے مجہول کہا ہے تو امام ابوداؤد اور علامہ منذری کے سکوت سے اس کی حدیث کا قابلِ عمل ہونا کیسے ثابت ہو سکتا ہے...''
(خاتمۃ الکلام ص ٤٦٠)

نافع بن محمود کی حدیث فقیر اللہ دیوبندی کے اپنے اصول کے مطابق بھی صحیح تھی اور نافع بن محمود ثقہ تھے لیکن چونکہ نافع بن محمود نے فاتحہ خلف الامام کے متعلق حدیث بیان کی ہے اس لیے فقیر اللہ دیوبندی نے کہا: ''مگر نافع بن محمود چونکہ مجہول ہے اس لئے یہ موصول طریق بھی ضعیف ہے،'' (خاتمۃ الکلام ص۲۴۴)

فقیر اللہ دیوبندی کے اصول کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ نافع بن محمود کی حدیث کو امام حاکم اور علامہ ذہبی صحیح کہتے ہیں اور امام ابوداؤد اور علامہ منذری بھی اس پر جرح سے خاموش ہیں مگر حضرات مقلدین (خصوصاً دیوبندیوں) کی کمین گاہ سے اس راوی نافع بن محمود کو بری طرح مجروح کیا گیا۔

لیکن ہم نے یہاں ایک دلچسپ بات عرض کرنی ہے اور اپنے ''روایتی'' انداز میں آلِ دیوبند سے سوال پوچھنا ہے اور وہ بات یہ ہے کہ جس چیز کو فقیر اللہ دیوبندی نے غیر مقلدین کی کمین گاہ کہا ہے وہ کیا ہے؟ فقیر اللہ دیوبندی نے توضیح الکلام (ص۱۳۰، ۱۳۱) دیکھنے کو کہا تھا، جب حوالے کو دیکھا تو حیران رہ گئے۔ مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے لکھا ہے:

''علامہ ماردینی حنفیؒ لکھتے ہیں: یہ جعفر بن میمونؒ ہے جس کی کنیت ابوعلیؒ ہے اور ابن معینؒ اور ابن عدیؒ نے کہا ہے کہ اس کی کنیت ابوالعوام ہے۔ ابن حنبلؒ نے کہا ہے کہ وہ قوی نہیں ابن معینؒ نے کہا ہے وہ کچھ نہیں، اور نسائی نے کہا ہے وہ ثقہ نہیں۔ (الجوہر النقی ص۳۷ جلد۲)

بلکہ علامہ عینیؒ نے تو بڑے جزم سے کہا کہ: مسند میں جو جعفر کا ذکر ہے تو وہ جعفر بن میمونؒ ہے جس میں کلام ہے یہاں تک کہ نسائی نے صراحت کی ہے کہ وہ ثقہ نہیں (عمدۃ القاری ص۱۴، جلد۲)'' (توضیح الکلام جلد۱ ص۱۳۰، ۱۳۱)

اب دیوبندی بتائیں! کہ وہ علامہ ماردینی حنفی اور علامہ عینی حنفی کی آراء کو کمین گاہ سے روایتی مقلدانہ تیر ونشتر کہیں گے یا فقیر اللہ دیوبندی کو الزام لگانے کی وجہ سے جھوٹا سمجھیں گے؟!

۵۰) اہلِ حدیث عالم مولانا عبدالرحمٰن شاہین حفظہ اللہ کے متعلق ماسٹر امین اوکاڑوی نے

لکھا ہے: ''خیانت نمبر ۳۷

شاہین صاحب مالک بن الحویرث کا شاگرد یہاں ابوقلابہ ہے جو ناصبیت کی طرف مائل تھا (تقریب) یعنی اہل بیت نبوی ﷺ کے مخالف تھا۔ آپ رفع یدین کیلئے کبھی کسی شیعہ کی چوکھٹ پر سجدہ کرتے ہیں کبھی کسی ناصبی کے پاؤں چاٹتے ہیں:'' (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۴۹۳)

لیکن جب ماسٹر امین اوکاڑوی نے ابوقلابہ رحمہ اللہ کا قول اپنی تائید میں نقل کرنا تھا تو بڑی تمیز سے لکھا: ''حضرت ابوقلابہؒ '' (تجلیات صفدر ج ۶ ص ۳۷۱)

سرفراز صفدر نے تقلید کو ثابت کرنے کے لئے ابوقلابہ رحمہ اللہ کی تعریف میں لکھا ہے:

''اسی طرح حضرت عنبسہؒ کا حضرت ابوقلابہؒ کے متعلق اہل شام کو یہ کہنا کہ

اے اہل شام! جب تک تم میں حضرت ابوقلابہؒ یا ان جیسے سمجھدار موجود ہیں تو تم خیریت کے ساتھ ہی رہو گے۔ (بخاری ج ۲ ص ٦٦٣، ج ۲ ص ۱۰۱۹، ومسلم ج ۲ ص ۵۷ واللفظ لہ)

اور اس طرح کے دیگر ایسے اٹل دلائل اور براہین ہیں جن سے اغماض نہیں کیا جاسکتا۔''

(الکلام المفید ص ۹۵، ۹٦)

اسی طرح خود دیوبندیوں نے بھی ابوقلابہ رحمہ اللہ کی بیان کردہ احادیث کو اپنی کتابوں میں بطورِ دلیل نقل کیا ہے۔ مثلاً: دیکھئے ماسٹر امین اوکاڑوی کی کتاب: مجموعہ رسائل (۳٦/۱) تجلیاتِ صفدر (۲/۳ ۲۷ تحقیق مسئلہ قرأت خلف الامام چوتھی حدیث ۔) اور فتوحاتِ صفدر (ج ۱ ص ۲۹۷، ۳۱۰)

انوار خورشید نے حدیث اور اہلحدیث (ص ۴۳۸ حدیث نمبر ۴، اور ص ۳۱۸ حدیث نمبر ۱۴، ص ۵۲۳ روایت نمبر ۹ اور ص ۷۰۲ حدیث نمبر ۵) میں ابوقلابہ کی بیان کردہ احادیث کو اپنی دلیل بنایا ہے۔

ماسٹر امین اوکاڑوی کے اصول کے مطابق تو انوار خورشید خیانتیں کرنے والا اور ایک ناصبی کے پاؤں چاٹنے والا تھا لیکن ماسٹر امین نے بذاتِ خود اپنے اصول کی مخالفت کرتے ہوئے انوار خورشید کی کتاب کے متعلق کہا: ''مولانا انوار خورشید مدظلہ نے اردو خوان

حضرات کو اس جھوٹے پروپیگنڈے سے بچانے کے لئے ایک کتاب ''حدیث اور اہل حدیث'' نامی تحریر فرمائی۔ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے عجیب قبولیت عطا فرمائی۔''

(تجلیاتِ صفدر ج ۷ ص ۳۰۴)

مزید لکھا: ''احادیث مقدسہ کے اس حسین گلدستہ کے شائع ہونے پر سب سے زیادہ تکلیف اور بوکھلاہٹ نام نہاد فرقہ اہل حدیث کو ہوئی....'' (تجلیات صفدر ج ۷ ص ۳۰۵)

تو اس طرح ماسٹر امین نے اپنے ہی اصول کے مطابق ایک ناصبی کے پاؤں چاٹنے والے کی تعریف کی۔

لیکن ہم نے تو یہاں ایک دلچسپ بات عرض کر کے دیوبندیوں سے سوال پوچھنا ہے وہ یہ کہ ماسٹر اوکاڑوی کے اصول کے مطابق اگر کوئی شخص اپنے عمل کو ثابت کرنے کے لئے کوئی ایسی روایت پیش کرے جس کی سند میں کوئی شیعہ راوی ہو تو گویا اس کی چوکھٹ پر سجدہ کرنے کے مترادف ہے۔ لیکن دوسری طرف ماسٹر امین اوکاڑوی نے ترک رفع یدین کے مسئلہ میں ایک روایت (تجلیات صفدر ج ۲ ص ۳۵۰ تحقیق مسئلہ رفع یدین ص ٦، مجموعہ رسائل اوکاڑوی ۱۸۲/۱) نقل کی ہے۔ جس کے ایک راوی محمد بن سائب کلبی کو دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر نے کافر ثابت کیا ہے۔

دیکھئے ازالۃ الریب (ص ۳۱۴) اور تنقید متین (ص ۱٦۷)

اور دوسرے راوی محمد بن مروان سدی کے متعلق لکھا: ''سدی کذاب اور وضاع ہے''

(اتمام البرہان ص ۴۵۵)

سرفراز صفدر نے کسی بریلوی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے: ''آپ نے خازن کے حوالے سے سدی کذاب کے گھر میں پناہ لی ہے جو آپ کی علمی رسوائی کے لئے بالکل کافی ہے اور یہ داغ ہمیشہ آپ کی پیشانی پر چمکتا رہے گا۔'' (اتمام البرہان ص ۴۵۸)

اب دیوبندی بتائیں! کہ کیا ماسٹر امین اوکاڑوی نے ایک کافر اور کذاب کی چوکھٹ پر سجدہ کیا تھا یا وہ الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟ نیز سرفراز صفدر کے اصول کے مطابق علمی رسوائی

کا داغ ماسٹر امین کی پیشانی پر ہمیشہ چمکتا رہے گا یا سرفراز صفدر کا اصول ہی باطل ہے؟!

تنبیہ: اصول نمبر ۴۳ میں بھی ماسٹر اوکاڑوی کی بیان کردہ ایک روایت کی حقیقت بیان کی گئی ہے جس میں کلبی اور سدی کے بارے میں دیوبندی حوالے لکھے گئے ہیں، دوبارہ پڑھ لیں۔

۵۱) ماسٹر امین اوکاڑوی نے حکیم صادق سیالکوٹی پر رد کرتے ہوئے لکھا ہے:

''جو احادیث نقل کی ہیں ان کے بظاہر معارض جو احادیث تھیں ان کا نام تک نہیں جو رسول اللہ ﷺ سے فریب اور فراڈ ہے کہ احادیث کا ایک پہلو لے لیا گیا اور دوسرا نظر انداز کر دیا گیا'' (تجلیات صفدر ج ۴ ص ۲۵۱)

جبکہ دوسری طرف ماسٹر امین اوکاڑوی کی پسندیدہ کتاب (دیکھئے تجلیات صفدر ج ۷ ص ۳۰۴، ۳۰۵) حدیث اور اہلحدیث میں بھی انوار خورشید نے جو احادیث نقل کی ہیں ان کے بظاہر معارض جو احادیث تھیں ان کا نام تک نہیں۔

تفصیل کے لئے دیکھئے مولانا داود ارشد حفظہ اللہ کی کتاب حدیث اور اہل تقلید۔

اب دیوبندی بتائیں! کہ کیا انوار خورشید نے اوکاڑوی اصول کے مطابق رسول اللہ ﷺ سے فریب اور فراڈ کیا ہے یا ماسٹر امین اوکاڑوی الزام لگانے میں جھوٹا ہے؟

۵۲) آلِ دیوبند کے ''رئیس المحققین'' ابوبکر غازیپوری نے لکھا ہے: ''امت کا اتفاق ہے کہ کتاب اللہ کے بعد صحیح بخاری سے زیادہ صحیح کوئی دوسری کتاب نہیں، علما سلف وخلف نے اس کتاب کو زبردست حسن قبول عطاء کیا، درس و تدریس، شرح و تعلیق، استدلال و استخراج، افادہ و استفادہ ہر ممکن شکل سے یہ کتاب علماء امت کی دل چسپی کا محور بنی ہوئی ہے، کسی حدیث کی صحت کیلئے بس یہ کافی کہ وہ بخاری شریف میں موجود ہے، اور بلاشبہہ یہ کتاب اسلام کا وہ علمی کارنامہ ہے کہ اہل اسلام اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے اس کی عظمت شان کا انکار صرف شیعوں نے کیا، یا منکرین حدیث نے یا پھر آج کے غیر مقلدین نے۔''

(آئینۂ غیر مقلدیت از غازیپوری ص ۲۰۶، ۲۰۷)

جبکہ دوسری طرف ماسٹر امین اوکاڑوی نے اپنے کسی ''حنفی'' محشی سے نقل کرتے ہوئے کہا:

''انہوں نے لکھا ہے کہ یہ جو لوگ کہتے ہیں بخاری اصح الکتب ہے تحکم لا یجوز تقلید فیه یه. بالکل ناانصافی کی بات ہے اسے ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔''

(فتوحات صفدر ج ا ص ۱۳۷، دوسرا نسخہ ج ا ص ۱۵۹)

اور عبدالغنی طارق لدھیانوی دیوبندی نے لکھا ہے:

''ابھی پتہ چل جائے گا تمہارا اور تمہارے امام بخاری کا'' (شادی کی پہلی دس راتیں ص ۱۸)

ایک اور جگہ لکھا ہے: ''تمہاری بخاری نے تو مجھے شرمسار کیا'' (شادی کی پہلی دس راتیں ص ۱۷)

اب دیوبندی بتائیں! کہ ماسٹر امین اوکاڑوی اور عبدالغنی شیعہ ہیں یا منکر الحدیث یا پھر غیر مقلد؟

۵۳) دیوبندیوں کے امام سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''راقم اثیم نے بحمد اللہ تعالیٰ پورے سولہ سال درس نظامی کا مکمل نصاب پڑھا ہے اور پھر اڑتالیس سال سے پڑھا رہا ہے اور درس نظامی کی کوئی کتاب ایسی نہیں جو کئی کئی بار نہ پڑھائی ہو مگر جس چیز کا نام علمی طور پر اجتہاد ہے راقم اثیم اپنے آپ کو واللہ باللہ اس کا کسی طرح بھی اہل نہیں سمجھتا بقدر وسعت صرف کتابوں کے حوالے دے سکتا ہے اور بس...'' (الکلام المفید ص ۶۷)

ماسٹر امین اوکاڑوی نے علانیہ کہا: ''ہم نادان ہیں اجتہادی قوت میں، مسائل میں عالم ہیں۔'' (فتوحات صفدر ج ا ص ۲۵۱، دوسرا نسخہ ص ۲۲۱)

سرفراز صفدر نے لکھا ہے: ''الغرض پیش آمدہ غیر منصوص مسائل میں تا قیامت اجتہاد جاری اور جائز ہے۔'' (الکلام المفید ص ۶۷)

ان دیوبندی اصولوں سے ثابت ہوا کہ اجتہاد تا قیامت جاری رہے گا لیکن کرے گا کون؟ سرفراز صفدر نے تو قسم اٹھا کر اپنے آپ کو نااہل ثابت کر دیا اور ماسٹر امین نے خود اپنے بارے میں کہا ہم نادان ہیں اجتہادی قوت میں۔

اب دیوبندی بتائیں! کہ دیوبندی عوام اجتہادی مسائل اہل حدیث سے پوچھ لیا کریں یا پھر آل دیوبند کے اصول ہی بے بنیاد اور غلط ہیں؟ (باقی آئندہ، ان شاء اللہ)

حافظ زبیر علی زئی

خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا غلط ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ رسولہ الأمین ، أما بعد:

دلائل ہمیشہ دو قسم کے ہوتے ہیں: خاص یا عام

خاص دلیل عام کے مقابلے میں کسی خاص فرد یا چیز پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً سیدنا آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا فرمایا لہٰذا اس لحاظ سے آپ اللہ کی مخلوقات میں سے ایک خاص مخلوق ہیں۔

محمد عمیم الاحسان نامی ایک شخص نے لکھا: ''**ھو کلّ لفظ وضع لمعنی معلوم علی الانفراد جنسًا کإنس أو نوعًا کرجل أو عیناً کزید**''

خاص ہر وہ لفظ ہے جسے انفراد کے طور پر معلوم معنی کے لئے وضع کیا جائے: بلحاظِ جنس ہو جیسے انسان، بلحاظِ نوع ہو جیسے مرد یا بلحاظِ عین ہو جیسے زید۔ (التعریفات الفقہیہ ص ٢٧٢، الخاء)

یہ لفظ تفرد سے عبارت ہے اور اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوتا۔

دیکھئے التعریفات للجرجانی (ص ٤٤) یہ عام کی ضد ہے۔ دیکھئے علمی اردو لغت (ص ٦٦١)

عام دلیل خاص کے مقابلے میں عام افراد یا تمام چیزوں پر مشتمل ہوتی ہے مثلاً تمام انسان وغیرہ۔ عبیداللہ اسعدی نامی ایک تقلیدی شخص نے کہا: ''عام ...وہ لفظ جس کو ایک معنیٰ و مفہوم کے غیر محصور افراد کے لئے ایک ہی مرتبہ میں وضع کیا گیا ہو'' (اصول الفقہ ص ١٠٦)

عام اور خاص کا مسئلہ سمجھانے کے لئے پانچ مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

مثال اول: ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ پس مشرکوں کو قتل کرو۔ (التوبہ: ٥)

اس آیتِ کریمہ میں مسلمانوں سے جنگ کرنے والے کافروں کے بارے میں مجاہدین کو حکم دیا گیا ہے کہ مشرکین کو جہاں بھی (حالتِ جنگ میں) پاؤ قتل کر دو۔

جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے: ((ولا تقتلوا ولیدًا.)) اور بچے کو قتل نہ کرو۔
(صحیح مسلم:۱۷۳۱، دارالسلام:۴۵۲۲)

اس حدیث اور دیگر احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے کہ حالتِ جہاد میں نابالغ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کو (جان بوجھ کر، بغیر شرعی دلیل کے) قتل کرنا ممنوع ہے۔
اول الذکر آیت عام ہے اور حدیث خاص ہے۔

مثال دوم: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ ﴾
تم پر مردار حرام ہے۔ (المائدہ:۳)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذبح کے بغیر خود بخود مر جانے والا ہر حلال جانور، اس حالت میں حرام ہے۔ جبکہ حدیث میں آیا ہے: ((الحل میتتہ .)) سمندر کا مُردار حلال ہے۔ (موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۲۷ وسندہ صحیح، سنن ابی داود: ۸۳، ت: ۶۹ وقال: ''حسن صحیح'' وصححہ ابن خزیمہ: ۱۱۱، وابن حبان، الموارد: ۱۱۹)

معلوم ہوا کہ ہر مُردار حرام ہے لیکن سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

مثال سوم: کتاب وسنت اور اجماع سے ثابت ہے کہ ہر مسلمان بالغ عاقل مرد اور عورت پر دن رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں۔ (یہ عام دلیل ہے)
حائضہ عورت پر حالتِ حیض میں نماز فرض نہیں بلکہ اس حالت میں اس کے لئے نماز پڑھنا حرام ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال چہارم: مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا حرام ہے۔ (یہ عام دلیل ہے)
اگر کسی مرد کو خارش وغیرہ کی بیماری ہو اور اُسے شرعی ضرورت ہو تو ریشمی لباس پہننا جائز ہے۔ (یہ خاص دلیل ہے)

مثال پنجم: اگر کوئی شخص چوری کرے اور یہ چوری نصاب تک پہنچ جائے تو اسلامی عدالت میں اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ (یہ عام دلیل ہے)
اگر کوئی شخص پھل چُرائے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا لیکن تعزیر اور جرمانہ لگایا جاسکتا

ہے۔(یہ خاص دلیل ہے)

ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ دلائل دو طرح کے ہوتے ہیں: خاص اور عام

اصولِ فقہ کا مشہور مسئلہ ہے کہ خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے (لہٰذا عام دلیل کو خاص دلیل کے مقابلے میں پیش کرنا غلط اور مردود ہے۔) مثلاً:

١: حافظ ابن حجر العسقلانی نے ایک حدیث سے استنباط کر کے لکھا ہے:

''**و أنّ الخاص يقضي على العام**'' اور بے شک خاص عام پر قاضی (حاکم اور فیصلہ کن) ہے۔ (فتح الباری ١/٨٩ ح ٣٢)

٢: شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے کہا: ''**والدليل الخاص مقدم على العام**''

اور خاص دلیل عام پر مقدم ہے۔ (مجموع فتاویٰ ج ٣١ ص ١٤١)

٣: شیخ ابو حیان محمد بن یوسف الاندلسی (متوفی ٧٤٥ھ) نے فرمایا:

''**ولا شك أن الخاص مقدم على العام**''

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر البحر المحیط ج ٣ ص ١٦٨، سورۃ النساء: ١-١٠)

٤: فخر الدین رازی نے لکھا: ''**ولا شك أن الخاص مقدم على العام**''

اور اس میں شک نہیں کہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (تفسیر رازی ج ٥ ص ٥٠، سورۃ البقرۃ: ١٧٨)

٥: ابو شامہ نے کہا: ''**فإن الخاص مقدم على العام**''

پس بے شک عام پر خاص مقدم ہے۔ (الباعث علیٰ انکار البدع ج ١ ص ٦٥ بحوالہ المکتبۃ الشاملۃ)

٦: محمد بن علی الشوکانی الیمنی نے لکھا ہے: ''**لأن الخاص مقدّم على العام**'' کیونکہ خاص عام پر مقدم ہے۔ (نیل الاوطار ١/٤٨٥ باب بيان أن من أدرك بعض الصلوة فی الوقت فإنه يتمها ..)

٧: ابن الوزیر الیمانی (متوفی ٨٤٠ھ) نے کہا: ''**لأن الخاص مقدم على العام**''

کیونکہ عام پر خاص مقدم ہے۔ (ایثار الحق علی الخلق ص ٤١١)

٨: نواب صدیق حسن خان نے کہا:

''**و قد تقرر أن الخاص مقدم على العام**'' اور یہ مقرر ہو چکا ہے کہ عام پر خاص مقدم

ہے۔(الروضۃ الندیہ شرح الدرر البہیۃ ج۲ص۱۹۶باب الذبح)

۹: ابن عابدین شامی نے قلابازیوں کے باوجود علماء سے نقل کیا کہ'' **إذا قوبل الخاص بالعام یراد به ما عدا الخاص** ''اگر خاص کا عام کے ساتھ مقابلہ کیا جائے تو خاص کے علاوہ مراد ہوتا ہے۔ (ردالمحتار علی الدر المختار لا بن عابدین ۲/۲۹۷)

۱۰: انور شاہ کاشمیری دیوبندی نے کہا:'' **فإذا ورد خاص في موضع و شمله العام أیضًا و تعارض فی الحکمین لا یعتد بهذا العام أصلاً و یکون الحکم حکم الخاص** ''جب کسی خاص چیز کے بارے میں خاص دلیل وارد ہو اور عام بھی اُسے شامل ہو اور حکم میں دونوں کا تعارض ہو تو اس عام کا سرے سے کوئی اعتبار نہیں ہوگا اور خاص کا حکم (قابلِ اعتبار) ہوگا۔ (فیض الباری ج۲ص۵۹)

ان عبارات اور دیگر اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ عام پر خاص مقدم ہوتا ہے لہٰذا خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے بشرطیکہ دونوں دلیلیں صحیح ہوں۔

مسئلہ: قرآنِ مجید کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

امام ابوعوانہ وضاح بن عبداللہ الیشکری رحمہ اللہ (متوفی ۱۷۵ھ) سے روایت ہے کہ میں ابوحنیفہ کے پاس حاضر تھا، ایک آدمی نے آپ کی طرف کچھ (سوالات کو) لکھ کر بھیجا تھا تو آپ (جواب میں) کہنے لگے: کاٹا جائے گا (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔حتیٰ کہ اُس شخص نے پوچھا: اگر کوئی شخص (باغ کی) کھجوروں میں سے کچھ چرائے تو؟ انھوں نے فرمایا: (ہاتھ) کاٹا جائے گا۔ میں نے اس آدمی سے کہا: یہ بات ہرگز نہ لکھنا، یہ عالم کی غلطی ہے۔ابوحنیفہ نے مجھ سے پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:((**لا قطع فی ثمر و لا کثر.**)) پھل اور کھجور کا شگوفہ چرانے والے کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

ابوحنیفہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا:'' **امح ذلك و اکتب :لا یقطع ، لا یقطع** ''

(میری) اس بات کو (کاٹ کر) مٹا دو اور لکھو: نہیں کاٹا جائے گا، نہیں کاٹا جائے گا۔

(کتاب السنۃ للامام عبداللہ بن احمد بن حنبل ج۱ص۲۲۱ح۳۸۰ وسندہ صحیح، قلمی نسخہ ص۲۱)

امام ابوعوانہ نے ((**لا قطع**)) والی جو حدیث پیش کی تھی، موطأ امام مالک (نسخۂ یحییٰ بن یحییٰ ۲/۸۳۹ ح ۱۶۲۸، بتحقیقی) وغیرہ میں موجود ہے۔

نیز دیکھئے تاریخ بغداد للخطیب البغدادی (ج ۱۳ص ۴۰۸ وسندہ صحیح الیٰ ابی عوانہ)

اسے امام حمیدی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

دیکھئے مسند الحمیدی (ح ۴۰۸ بتحقیقی وسندہ صحیح، نسخہ دیوبندیہ: ۴۰۷)

یہ حدیث سنن الترمذی (۱۴۴۹) وغیرہ کتبِ سنن میں بھی موجود ہے۔

امام ابوعوانہ نے تو اسے بطورِ جرح وتنقید بیان کیا تھا مگر اس سچے قصے سے سات مسئلے ثابت ہیں:

① خاص دلیل عام پر مقدم ہوتی ہے۔

② قرآن کی تخصیص خبرِ واحد صحیح کے ساتھ جائز ہے۔

③ جب خاص دلیل نہ ہو تو عام پر عمل کرنا جائز ہے۔

④ اس میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہے کیونکہ انھوں نے حدیث معلوم ہونے کے بعد فوراً حدیث کی طرف رجوع کر لیا تھا اور یہی اہلِ ایمان کی نشانی ہے۔

⑤ اگرچہ عالم کتنا ہی بڑا ہو مگر اُس سے بعض دلائل مخفی رہ سکتے ہیں۔

⑥ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ عالم تھے۔

⑦ **المجتهد يخطئ و يصيب**

یعنی مجتہد کو بعض اوقات غلطی بھی لگتی ہے اور بسا اوقات اس کی بات صحیح بھی ہوتی ہے۔

تنبیہ: حدیثِ مذکور کا تعلق درختوں سے لٹکے ہوئے پھلوں کے ساتھ ہے اور یاد رہے کہ پھلوں کے چور پر تعزیر لگ سکتی ہے اور جرمانہ بھی ہو سکتا ہے جیسا کہ دوسرے دلائل سے ثابت ہے۔

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ صحیح حدیث کے ساتھ قرآن مجید کی تخصیص کے قائل وفاعل تھے۔

عبدالحیٔ لکھنوی تقلیدی نے کہا: '' **و أما بالخبر الواحد فقال بجوازه الأئمة**

الأربعة... ''اورائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(غیث الغمام حاشیۃ امام الکلام ص ۲۷۷)

عبدالحیٔ مذکور کی ولادت سے صدیوں پہلے فوت ہو جانے والے ابوعمرو عثمان بن عمرو بن ابی بکر المعروف: ابن الحاجب النحوی الاصولی المالکی (متوفی ۶۴۶ھ) نے لکھا:

''**یجوز تخصیص القرآن بالسنة المتواترة باتفاق ، و أما خبر الواحد فالأئمة الأربعة علی الجواز** '' إلخ سنتِ متواترہ کے ساتھ قرآن کی تخصیص بالاتفاق (بالاجماع) جائز ہے اور ائمہ اربعہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔الخ (منتہی الاصول والامل فی علمی الاصول والجدل ص ۱۳۱)

ابوالعباس احمد بن ادریس القرافی (متوفی ۶۸۴ھ) نے کہا: '' **و یجوز عندنا و عندالشافعي و أبي حنیفة تخصیص الکتاب بخبر الواحد ..** ''

ہمارے، شافعی اور ابوحنیفہ کے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔

(شرح تنقیح الفصول فی اختصار المحصول فی الاصول ص ۲۰۸)

علی بن محمد الآمدی الشافعی (متوفی ۶۳۱ھ) نامی ایک شخص نے لکھا:

''**و أما إذا کانت السنة من أخبار الآحاد فمذهب الأئمة الأربعة جوازه** ''

اور اگر سنت خبرِ واحد میں سے ہو تو ائمہ اربعہ کے نزدیک قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

(الاحکام فی اصول الاحکام ج ۲ ص ۳۴۷)

علی بن عبدالکافی السبکی نے کہا: '' **و فیها بحثان: الأول في جواز تخصیص الکتاب بخبر الواحد و فیه مذاهب أحدها الجواز مطلقاً و هو المنقول عن الأئمة الأربعة و اختاره الإمام و أتباعه منهم المصنف** ''اور اس میں دو بحثیں ہیں: اول قرآن کی خبرِ واحد کے ساتھ تخصیص کا جواز اور اس میں کئی مذہب ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مطلقاً جائز ہے اور یہ بات ائمہ اربعہ سے منقول ہے اور امام اور ان کے متبعین بشمول (اس کتاب کے) مصنف نے اسے اختیار کیا ہے۔ (الابہاج فی شرح المنہاج علیٰ منہاج

الوصول الیٰ علم الاصول للبیضاوی، تصنیف السبکی ج۲ص۱۷۱، الفصل الثالث بحوالہ المکتبۃ الشاملہ)
۱۱۸۲ھ میں فوت ہونے والے محمد بن اسماعیل الامیر الصنعانی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ اربعہ اور جمہور کے نزدیک قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔
دیکھئے اجابۃ السائل شرح بغیۃ الآمل (اصول الفقہ ص۳۲۹)

ان حوالوں اور امام ابوحنیفہ کے سچے قصے سے ثابت ہوا کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث کے ساتھ جائز ہے، چاہے خبرِ واحد ہی کیوں نہ ہو جبکہ عبدالعلی محمد بن نظام الدین الانصاری (تقلیدی) نے علانیہ لکھا ہے: ''**لا یجوز عندالحنفیة تخصیص الکتاب بخبر الواحد** '' حنفیہ کے نزدیک خبرِ واحد کے ساتھ قرآن کی تخصیص جائز نہیں ہے۔
دیکھئے فواتح الرحموت بشرح مسلّم الثبوت (ج۱ص۳۴۹)
ائمہ اربعہ کے خلاف چلنے والے ان تقلیدی حنفیوں نے یہ نظریہ کہاں سے لیا ہے؟ اس کا جواب ابوحامد محمد بن محمد الغزالی (متوفی ۵۰۵ھ صاحب احیاء علوم الدین) کے قلم سے پیشِ خدمت ہے:
غزالی نے کہا: '' **قالت المعتزلة :لا یخصص عموم القرآن بأخبار الآحاد فإن الخبر لا یقطع بأصله بخلاف القرآن** ''معتزلہ نے کہا: قرآن کے عموم کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ نہیں کی جائے گی، کیونکہ قرآن کے برخلاف، خبر اصل کے لحاظ سے قطعی نہیں ہوتی۔ (المنخول من تعلیقات الاصول ص۲۵۲)
معتزلہ کے اس قول کو غزالی نے رد کر دیا اور کہا: '' **والمختار :أنه یخصص** ''اور مختار (جسے اختیار کیا گیا) یہ ہے کہ وہ (خبرِ واحد عمومِ قرآن کی) تخصیص کرتی ہے۔ (ایضاً ص۲۵۳)
حافظ ابن حجر العسقلانی نے فرمایا: ''**و قد ذهب الجمهور إلٰی جواز تخصیص عموم القرآن بخبر الآحاد** ''جمہور کا یہ مذہب ہے کہ عمومِ قرآن کی تخصیص خبرِ واحد کے ساتھ جائز ہے۔ (فتح الباری ۱۶۲/۹ تحت ح ۵۱۰۸۔ ۵۱۱۱)
اب تیس (۳۰) مثالیں پیشِ خدمت ہیں، جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صحیح حدیث

(خبرِ واحد) کے ساتھ قرآنِ مجید کی تخصیص کرنا بالکل جائز، صحیح بلکہ ضروری ہے:

۱) قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ (حلال جانور اگر) مردار (ہوجائے تو) حرام ہے۔ جبکہ خبرِ واحد سے ثابت ہے کہ سمندر کا مُردار (یعنی مچھلی) حلال ہے۔

دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال دوم۔

۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا ﴾ اور جو کوئی چور ہو مرد یا عورت، تو کاٹ ڈالو ان کے ہاتھ۔ (المائدہ: ۳۸، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۱۳۸)

اس آیت کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر قسم کی چوری میں ہاتھ کاٹ دینا چاہئے لیکن صحیح حدیث میں ایک خاص نصاب مقرر کیا گیا ہے، جس سے کم کی چوری میں ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔ نیز دیکھئے یہی مضمون (شروع والا حصہ) مثال پنجم۔

۳) سیدنا یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں نے (بطورِ تعظیم) سجدہ کیا تھا۔

(دیکھئے سورۂ یوسف: ۱۰۰)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے کو سجدۂ تعظیمی کرنا جائز ہے جبکہ صحیح حدیث (خبرِ واحد) میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((**فإني لو أمرتُ أحدًا أن يسجد لغير اللّٰه لأمرتُ المرأة أن تسجد لزوجها.**)) إلخ پس اگر میں کسی کو حکم دیتا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرے تو عورت (بیوی) کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

(سنن ابن ماجہ: ۱۸۵۳، وسندہ حسن وصححہ ابن حبان، الموارد: ۱۲۹۰، والحاکم ۴/ ۱۷۲ علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

معلوم ہوا کہ شریعت محمدیہ میں سجدۂ تعظیمی کرنا جائز نہیں ہے۔

٤) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ ﴾

اور حلال ہوئیں تم کو، جو ان کے سوا ہیں۔ (النساء: ۲۴ ترجمہ عبدالقادر ص ۱۰۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں مذکورہ حرام رشتوں کے علاوہ ہر عورت سے نکاح حلال ہے لیکن صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھوپھی اور بھتیجی سے (بیک وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے اور خالہ بھانجی سے (بھی بیک

وقت) نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۵۱۰۸) وصحیح مسلم (۱۴۰۸)

معلوم ہوا کہ اس خاص دلیل کی وجہ سے بیک وقت بیوی کی پھوپھی یا بیوی کی خالہ سے نکاح جائز نہیں ہے۔

۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اللہ کہہ رکھتا ہے تم کو تمہاری اولاد میں، مرد کو حصہ برابر دو عورت کے.'' (النساء:۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹۶)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہے کہ کافر بیٹا اپنے مسلمان باپ کا وارث ہوسکتا ہے جبکہ حدیث میں آیا ہے کہ ((**ولا یرث الکافر المسلم .**)) اور مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (صحیح بخاری:۶۷۶۴، صحیح مسلم:۱۶۱۴، ترقیم دارالسلام:۴۱۴۰ واللفظ لہ)

۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''کس نے منع کی ہے رونق اللہ کی، جو پیدا کی اُسنے اپنے بندوں کے واسطے، اور ستھری چیزیں کھانے کی؟'' (الاعراف:۳۲، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۸۶)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے ریشمی لباس پہننا مطلقاً حلال ہے لیکن حدیث سے ثابت ہے کہ ریشمی لباس عورتوں کے لئے حلال اور مَردوں کے لئے حرام ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام پیش کر کے مردوں کے لئے ریشم کو مطلقاً حلال قرار دینا غلط ہے۔

۷) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تو کہہ، میں نہیں پاتا، جس حکم میں کہ مجھ کو پہنچا، کوئی چیز حرام، کھانے والے کو، مگر یہ کہ مردہ ہو یا لہو پھینک دینے کا، یا گوشت سؤر کا، کہ وہ ناپاک ہے، یا گناہ کی چیز، جس پر پُکارا اللہ کے سوا کسی کا نام۔'' (الانعام:۱۴۶، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۷۸)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف چار چیزیں حرام ہیں حالانکہ صحیح احادیث سے گدھوں، کتوں اور درندوں وغیرہ کا حرام ہونا ثابت ہے۔

۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَ أَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ اور یہ کہ آدمی کو وہی ملتا ہے جو کمایا۔ (النجم:۳۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۶۳۴)

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو صرف اُس کے اپنے اعمال کا ہی اجر ملتا ہے

لیکن صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ بیٹا بیٹی اپنے والدین کی طرف سے حج کر سکتے ہیں۔
مثلاً دیکھئے صحیح بخاری (۱۸۵۲) وصحیح مسلم (۱۱۴۹، ترقیم دارالسلام: ۲۶۹۷)

۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو دونوں میں چھٹا حصہ جو چھوڑ مرا، اگر میت کی اولاد ہے۔'' (النساء:۱۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۹٦)

آیتِ مذکورہ سے ثابت ہے کہ اگر مرنے والے کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو میت کی وراثت میں سے چھٹا حصہ ملتا ہے لیکن حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان کا کافر وارث نہیں ہوتا۔ (دیکھئے فقرہ:۵)

لہٰذا اس خاص حدیث کی رُو سے کافر والدین اپنے مسلم بیٹے کی وراثت سے محروم رہتے ہیں۔

۱۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے ایمان والو! جب تم اُٹھو نماز کو تو دھولو اپنے منہ، اور ہاتھ کہنیوں تک...'' الخ (المائدۃ:٦، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۱)

آیتِ مذکورہ سے ظاہر ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرنا چاہئے، حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک وضو کے ساتھ کئی نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ وضو ٹوٹ نہ جائے۔

۱۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے: ایک مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے۔ الخ (النسآء:۱۱)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور وارث ہوا سلیمان داوَد کا'' (النمل:۱٦، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۵۵)

ان آیات کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی اور رسول کی وراثت ہوتی ہے۔ جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لا نورث ، ما ترکنا صدقة .)) ہماری وراثت نہیں ہوتی، ہم جو چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

(صحیح بخاری: ۴۰۳۴، صحیح مسلم: ۱۷۵۸، دارالسلام: ۴۵۷۹)

۱۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''وہی ہے، جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے۔'' (البقرۃ:۲۹، ترجمہ عبدالقادر ص ۸)

اس آیت کے عموم سے ظاہر ہوتا ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حلال ہے، جبکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ مَردوں کے لئے سونا پہننا حرام اور عورتوں کے لئے حلال ہے۔

۱۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور اللہ نے حلال کیا سودا اور حرام کیا سود''

(البقرۃ:۲۷۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۵۸)

اگر کوئی شخص اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے یہ کہے کہ ''ایک کلو گندم کے بدلے میں دو کلو گندم لینا جائز ہے'' تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے: ((**والبر بالبر ... إلا سواء بسواء عیناً بعین فمن زاد أو ازداد فقد أربی**)) گندم کے بدلے میں گندم ... مگر برابر برابر، نقدانقد پھر جس نے زیادہ دیا یا زیادہ لیا تو اُس نے سود کا کاروبار کیا۔ (صحیح مسلم:۱۵۸۶، دارالسلام:۴۰۶۱)

۱۴) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جن کو طاقت ہے، تو بدلا چاہئے ایک فقیر کا کھانا''

(البقرہ:۱۸۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۳۵)

اگر کوئی شخص اس آیت سے استدلال کرے کہ طاقت ور ہٹے کٹے آدمی کے لئے روزے کے بدلے میں کفارہ (ایک فقیر کو کھانا کھلانا) جائز ہے تو عرض ہے کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ اس آیت کا عموم منسوخ ہے۔ دیکھئے صحیح بخاری (۴۵۰۷)

لہٰذا اب شرعی عذر کے بغیر والے ہر شخص پر روزہ فرض ہے۔

۱۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور جس جگہ تم ہوا کرو، پھیرو منہ اسی کی طرف''

(البقرہ:۱۴۴، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۸)

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہر وقت ہر حالت میں بیت اللہ کی طرف ہی اپنا رُخ رکھنا چاہئے تو اس کا جواب یہ ہے: اس سے مراد حالتِ نماز میں بیت اللہ کی طرف رُخ کرنا ہے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۵۲۵، دارالسلام:۱۱۷۶) اور صحیح بخاری (۴۰)

۱۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حرام ہوا تم پر، مُردہ'' (المائدہ:۳، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۳۰)

یعنی مُردار حرام ہے جبکہ حدیث سے ثابت ہے کہ مُردار کی کھال دباغت سے پاک

ہوجاتی ہے۔دیکھئے صحیح بخاری (۱۴۹۲) وصحیح مسلم (۳۶۳، دارالسلام: ۸۰۶)

لہٰذا مُردار (حلال جانور جو ذبح کے بغیر مرجائے) کی کھال دباغت کے بعد استعمال کرنا جائز ہے۔

۱۷) زانیہ عورت اور زانی مرد کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ﴿ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ﴾ ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔ (النور:۲)

جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ شادی شدہ زانی مرد اور شادی شدہ زانی عورت، دونوں کو پتھر مار مار کر قتل (یعنی سنگسار) کیا جائے گا لہٰذا رجم کی خاص سزا کے مقابلے میں عمومِ قرآن سے استدلال باطل ہے۔

۱۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''تو مارو مشرکوں کو جہاں پاؤ'' (التوبہ:۵، ترجمہ عبدالقادر ص ۲۲۷)

اس آیتِ کریمہ میں ہر جگہ (مسلمان سے جنگ کرنے والے) مشرکوں کو قتل کرنے کا حکم ہے جبکہ دوسری آیت میں آیا ہے کہ ''اور نہ لڑو اُن سے مسجد الحرام (کے) پاس، جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ..'' (البقرہ:۱۹۱، ترجمہ عبدالقادر دہلوی ص ۳۷)

معلوم ہوا کہ خاص کے مقابلے میں عام سے استدلال کرنا غلط ہے۔

۱۹) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور نکاح میں نہ لاؤ شرک والی عورتیں، جب تک ایمان نہ لاویں'' (البقرہ:۲۲۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۴۳)

اس آیت میں شرک کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے جبکہ دوسری آیت میں اہلِ کتاب کی پاک دامن عورتوں سے نکاح حلال کیا گیا ہے۔

دیکھئے سورۃ المائدہ (آیت:۵)

حالانکہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے والے پولسی مسیحی بہت بڑا شرک کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہودیوں کا ایک فرقہ سیدنا عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا تھا۔!

۲۰) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اور پُوچھتے ہیں تم سے حکم حیض کا۔ تو کہہ، وہ گندی ہے، سو پرے رہو عورتوں سے حیض کے وقت، اور نزدیک نہ ہو اُن سے جب تک کہ پاک نہ

ہووِیں۔'' (البقرہ:۲۲۲،ترجمہ عبدالقادر ص۴۴)

آیتِ مذکورہ میں حیض والی عورتوں سے دُور رہنے کا حکم ہے حالانکہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ یہاں دُور رہنے سے مراد جماع سے دور رہنا ہے، نہ یہ کہ مطلقاً اُن سے دُور رہا جائے۔ دیکھئے صحیح مسلم (۳۰۹، دارالسلام:۶۹۴)

لہٰذا حیض والی عورتوں کے ہاتھوں کا پکا ہوا کھانا حلال ہے اور ان کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا حلال ہے۔

۲۱) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اور طلاق والی عورتیں انتظار کروائیں اپنے تئیں تین حیض تک۔'' (البقرہ:۲۲۸،ترجمہ عبدالقادر ص۴۵)

معلوم ہوا کہ مطلقہ عورت کی عدت تین حیض تک یعنی تین مہینے ہے۔ حالانکہ دوسری آیت سے ثابت ہے کہ حمل والی مطلقہ عورت کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ بچی پیدا ہونے) کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔ دیکھئے سورۃ طلاق (آیت:۴)

۲۲) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''پھر اگر اس کو طلاق دے، تو اب حلال نہیں اس کو وہ عورت اسکے بعد جبتک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اسکے سواء'' (البقرہ:۲۳۰،ترجمہ عبدالقادر ص۴۶)

اس آیت سے اگر کوئی شخص استدلال کرے کہ ''تین علیحدہ طلاقیں ملنے کے بعد اگر مطلقہ عورت بطورِ حلالہ کسی شخص سے نکاح کر کے طلاق لے لے تو وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہو جاتی ہے۔'' تو عرض ہے کہ یہ استدلال باطل ہے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلالہ کرنے اور حلالہ کرانے والے پر لعنت بھیجی ہے۔

(مسند احمد ۲/۳۲۳ ح ۸۲۸۷ وسندہ حسن وصححہ ابن الجارود بروایۃ فی المنتقیٰ:۶۸۴)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حلالہ کے بارے میں فرمایا: رغبت کے بغیر کوئی نکاح نہیں، ہم اسے (حلالہ کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں زنا سمجھتے تھے۔

(المستدرک للحاکم ۲/۱۹۹ ح ۲۸۰۶ وسندہ صحیح وصححہ الحاکم علیٰ شرط الشیخین ووافقہ الذہبی)

۲۳) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ﴾ پھر (وفات

دینے کے بعد) اللہ اُس روح کو روک لیتا ہے جس پر موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ (الزمر:۴۲)
جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ " **فیعاد روحه فی جسده** " پھر اس (میت) کے جسم میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ۳/۳۸۱ ح ۱۲۰۵۸، وسندہ حسن، سلیمان الاعمش صرح بالسماع عند احمد ۴/۲۸۸ وصححہ البیہقی وغیرہ وللحدیث شواہد وھو بہا صحیح)

معلوم ہوا کہ عمومِ قرآن سے دنیاوی اعادۂ روح کی نفی ثابت ہے اور حدیث سے برزخی اعادۂ روح کا اثبات ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام کو پیش کرنا غلط ہے۔ نیز دیکھئے محترم محمد ارشد کمال حفظہ اللہ کی کتاب "المسند فی عذاب القبر" (ص ٦٧-٨٦، ١٤٢-١٥١)

تنبیہ: کتاب الصلوٰۃ امام احمد بن حنبل سے اور الفقہ الاکبر امام ابوحنیفہ سے باسند صحیح ثابت نہیں ہیں۔ نیز دیکھئے کتاب: جعلی جزء کی کہانی (ص ۱۹-۲۱)

۲٤) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا﴾ بے شک مومنوں پر نماز، وقت پر فرض ہے۔ (النسآء:۱۰۳)

اس آیت کے عموم سے ثابت ہے کہ پانچ نمازوں کو اُن کے اپنے اوقات میں پڑھنا فرض ہے لیکن صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ عرفات (حج والے دن) میں ظہر و عصر کی دونوں نمازیں جمع تقدیم کر کے پڑھنا سنت ہے۔
دیکھئے صحیح مسلم (ج ۴ ص ۱۴۱ ح ۱۲۱۸، ترقیم دارالسلام: ۲۹۵۰ ص ۵۱۵ ب)

عرفات سے واپسی کے بعد مزدلفہ میں مغرب اور عشاء کی جمع تاخیر مسنون ہے۔
دیکھئے صحیح بخاری (۱٦٨٢) وصحیح مسلم (۱۲۸۹)
مزید تفصیل کے لئے دیکھئے ماہنامہ الحدیث حضرو (عدد ۲۵ ص ۱۷-۲۵)

۲۵) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ تو نہیں سُنا سکتا مُردوں کو۔
(النمل: ۸۰، ترجمہ شاہ عبدالقادر ص ٤٦٢)

جبکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مُردہ، دفن ہو جانے کے بعد، اپنے پاس سے واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتا ہے۔

دیکھئے صحیح بخاری (۱۳۳۸، ۱۳۷۴) اور صحیح مسلم (۲۸۷۰، ترقیم دارالسلام: ۷۲۱۶)

تنبیہ: اگر کوئی کہے کہ اس کی سند میں عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلیٰ راوی ضعیف ہے، تو اس کے دو جواب ہیں:

اول: عبدالاعلیٰ ثقہ وصدوق راوی تھے، جمہور محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے لہٰذا بعض محدثین کی جرح جمہور کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔

دوم: عبدالاعلیٰ اس روایت میں منفرد نہیں تھے بلکہ اُن کے علاوہ یہی حدیث یزید بن زریع اور عبدالوہاب بن عطاء دونوں نے سعید بن ابی عروبہ سے بیان کی ہے۔ سعید بن ابی عروبہ کے علاوہ یہی حدیث شیبان بن عبدالرحمٰن نے مفسرِ قرآن قتادہ رحمہ اللہ سے بیان کی اور قتادہ کے سماع کی تصریح صحیح مسلم میں موجود ہے لہٰذا اس حدیث پر منکرینِ حدیث کی ہر قسم کی جرح مردود ہے۔ والحمدللہ

۲۶) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حلال ہوئے تم کو چوپائے مویشی، سوا اسکے جو تم کو سُنا دیں گے'' (المآئدہ: ۱، ترجمہ عبدالقادر ص ۱۲۹)

یہ بات عام لوگوں کو بھی معلوم ہے کہ گدھا ایک چوپایہ مویشی ہے لیکن گدھے کا حرام ہونا صحیح حدیث سے ثابت ہے لہٰذا اس آیت کے عموم سے گدھے خارج ہیں۔

۲۷) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ﴾ پس جس پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیا جائے، اُسے کھاؤ۔ (الانعام: ۱۱۸)

جبکہ اجماع ہے کہ مجوسی کا ذبیحہ حرام ہے۔ دیکھئے مغنی ابن قدامہ (ج ۹ ص ۳۱۳ مسئلہ: ۷۷۵۲)

معلوم ہوا کہ آیتِ مذکورہ کے عموم سے استدلال کر کے مجوسی کے مذبوحہ جانور کو حلال قرار دینا غلط ہے۔

تنبیہ: جب اجماع سے عام کی تخصیص جائز ہے تو صحیح حدیث سے بدرجۂ اولیٰ عمومِ قرآن کی تخصیص جائز ہے۔

۲۸) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: جس نے برائی کمائی اور اس کے گناہ نے اسے گھیر لیا تو یہ

لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ دیکھئے سورۃ البقرۃ (آیت:۸۱)

اگر کوئی خارجی اس آیت سے استدلال کر کے یہ کہے کہ تمام دوزخی (چاہے کافر تھے یا مسلمان) ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو ہم کہیں گے کہ تمھارا استدلال باطل ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان دوزخیوں کو شفاعت وغیرہ کے ذریعے سے اور آخر کار دوزخ سے نکالا جائے گا۔

تنبیہ: آیتِ مذکورہ میں سیئہ اور خطیئہ کے عموم کو اگر شرک وکفر سے خاص کر لیا جائے تو پھر عرض ہے کہ کفار ومشرکین ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

۲۹) اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: تم اور جس کی تم عبادت کرتے ہو، جہنم کا ایندھن ہیں... سب اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دیکھئے سورۃ الانبیآء (آیت:۹۸، ۹۹)

ان آیتوں سے ظاہر ہے کہ کفار ومشرکین کے معبود جہنم میں جائیں گے اور دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ نیک لوگ جہنم سے دُور اور محفوظ رہیں گے۔

دیکھئے سورۃ الانبیآء (آیت نمبر ۱۰۱، ۱۰۲)

ثابت ہوا کہ خاص دلیل کے مقابلے میں عام دلیل پیش کرنا باطل ومردود ہے۔

۳۰) ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ پس قرآن میں سے جو آسان ہو (نماز میں) پڑھو۔ (المزمل:۲۰)

آیتِ مذکورہ کے عموم سے ثابت ہوا کہ نماز میں مطلق قراءت فرض ہے جبکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ دیکھئے صحیح بخاری (۷۵٦)

اس خاص دلیل سے معلوم ہوا کہ مطلق قراءت سے مراد سورۂ فاتحہ کی فرضیت ہے اور دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت فرض یا واجب نہیں ہے۔

اسی طرح خاص وعام کے اور بھی بہت سے دلائل ہیں مثلاً فرشتوں کا اہلِ زمین (اہلِ ایمان) کے لئے استغفار (دیکھئے سورۃ الشوریٰ:۵، اور سورۃ المؤمن [غافر] آیت:۷)

حنفیت کی طرف منسوب فرقے بھی ان بہت سی تخصیصات کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض جگہ بغیر کسی شرعی دلیل کے خود تخصیص بھی بنا لیتے ہیں مثلاً:

۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ مشرکین نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام (بیت اللہ) کے قریب بھی نہ آئیں۔ دیکھئے سورۃ التوبہ (۲۸)

اس کے مقابلے میں حنفیہ کے نزدیک مسجدِ حرام میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے۔

دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۴۷۴ کتاب الکراہیۃ) درمختار (۲۷۴/۵) شرح السیر الکبیر (۹۳/۱) الاشباہ والنظائر لابن نجیم (۱۷٦/۲) احکام القرآن للجصاص (۸۸/۳) بحوالہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ (۵۸۲/۳)

۲: قرآن مجید میں سُود کو حرام قرار دیا گیا ہے مگر حنفیہ کے نزدیک دارالحرب میں مسلمان کے لئے سود کھانا جائز ہے۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۸٦ باب الربوا)

۳: قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ قاتل کو قتل کے بدلے میں قتل کیا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی بالغ یا نابالغ کو پانی میں ڈبو کر قتل کر دے تو اس سے قصاص نہیں لیا جائے گا۔ دیکھئے الہدایہ (اخیرین ص ۵٦٦، باب مایوجب القصاص ومالا یوجبہ)

۴: قرآن سے ثابت ہے کہ چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا لیکن حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی جگہ نقب لگا کر داخل ہوا اور سارا مال لے کر اپنے ساتھی کے حوالے کر دے جو مکان سے باہر تھا، تو دونوں کے ہاتھ نہیں کاٹے جائیں گے۔ (دیکھئے الہدایہ اولین ص ۵۴۵ باب مایقطع فیہ ومالا یقطع)

اگر یہ لوگ خود اپنے باطل قیاسات کی بنیاد پر عمومِ قرآن کی تخصیص کر دیں تو ان کے نزدیک کوئی حرج نہیں لیکن اگر کوئی شخص صحیح خبرِ واحد سے قرآن کی تخصیص کر دے تو بڑا حرج بن جاتا ہے۔ سبحان اللہ! کیسا انصاف ہے!

اس ساری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کی تخصیص صحیح حدیث (خبرِ واحد) کے ساتھ جائز ہے اور خاص دلیل عام دلیل پر مقدم ہوتی ہے لہٰذا خاص کے مقابلے میں عام دلیل کبھی پیش نہیں کرنی چاہئے۔

تصنیف: حافظ ابن کثیر ترجمہ وحواشی: حافظ زبیر علی زئی

اختصار علوم الحدیث (قسط نمبر ۱۰)

(۲۶) چھبیسویں قسم: صفتِ روایتِ حدیث

ابن الصلاح نے کہا: ایک قوم نے روایت میں تشدد کیا ہے، اُن میں سے بعض نے یہ شرط لگائی ہے کہ روایت حفظِ راوی یا اس کے مذاکرے سے ہو، انھوں (ابن الصلاح) نے مالک، ابوحنیفہ اور ابوبکر الصیدلانی (محمد بن داود بن محمد) المروزی سے نقل کیا ہے۔ [۱]

جمہور کے نزدیک یہی کافی ہے کہ راوی کا سُنی ہوئی چیز کے بارے میں سماع ثابت ہو، اگر یہ دوسرے کے خط سے ہو یا نسخہ غائب (دُور یا گم) ہو جائے، اگر ظن غالب ہو کہ یہ تبدیلی اور تغیر سے محفوظ ہے (تو اس کی روایت جائز ہے۔)

بعض دوسرے لوگوں نے ایسے نسخوں کے بارے میں صرف طالب علم کے قول: ''یہ آپ کی روایت میں سے ہے''؟ پر تحقیق، نسخہ دیکھنے اور سماع تلاش کرنے کے بغیر اعتماد کرتے ہوئے تساہل (نرمی) اختیار کر کے روایت کی اجازت دی ہے، جن نسخوں کا مقابلہ نہیں کیا گیا۔

انھوں (ابن الصلاح) نے کہا: ایسے لوگوں کو حاکم نے مجروح راویوں میں شمار کیا ہے۔

(دیکھئے المدخل الی کتاب الاکلیل للحاکم ص ۶۵۔۶۶)

فرع (۱): خطیب بغدادی نے کہا: نابینا یا دیکھنے والے ان پڑھ سے سماع دوسرے کے خط یا قول سے ثابت ہو تو اس کی روایت میں لوگوں کا اختلاف ہے۔ بعض علماء اس کی روایت سے منع کرتے ہیں اور بعض اسے جائز سمجھتے ہیں۔ (دیکھئے الکفایہ ص ۲۲۹)

....

(۱) قولِ امام مالک (الکفایہ ص ۲۲۷ وسندہ صحیح)

قولِ امام ابوحنیفہ (الکفایہ ص ۲۳۱، اُس کی سند منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

قولِ صیدلانی (؟)

دوسری فرع (۲): جب کسی شیخ سے صحیح بخاری جیسی کتاب روایت کرے پھر اس کا ایسا نسخہ پائے جس کا مقابلہ اس نے اپنے استاذ کے اصل نسخے سے نہیں کیا، یا اس پر اپنے اصل سماع کا ثبوت نہ پائے لیکن اسے اس کے صحیح ہونے پر دلی سکون ہو تو خطیب نے عام اہلِ حدیث سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اس کی روایت سے منع کیا ہے اور یہی قول شیخ ابونصر ابن الصباغ الفقیہ کا ہے۔ ایوب (سختیانی) اور محمد بن بکر البرسانی سے اس کی اجازت مروی ہے۔ [1] میں (ابن کثیر) نے کہا: میں اسی کا قائل ہوں۔ واللہ اعلم

شیخ تقی الدین ابن الصلاح نے درمیانی راہ اختیار کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر اس کے شیخ نے اسے اجازت دی ہو تو اس کی روایت جائز ہے اور حال یہی ہے۔

دوسری فرع (۳): اگر حافظ کے حافظے اور اس کی کتاب میں اختلاف ہو جائے، اگر اس کا حفظ کے وقت اعتماد کتاب پر تھا تو کتاب کی طرف رجوع کیا جائے گا اور اگر کسی اور (مثلاً محدّث سے سُنے الفاظ) پر تھا تو پھر حافظے کی طرف رجوع کیا جائے گا۔

بہتر یہ ہے کہ وہ کتاب میں اس پر تنبیہ کر دے جیسا کہ شعبہ سے مروی ہے۔

(دیکھئے مسند علی بن الجعد: ۱۶۳، دوسرا نسخہ: ۱۵۹)

اور اسی طرح اگر دوسرے حفاظِ حدیث اس کی مخالفت کریں تو روایت کے وقت یہ بھی بتا دے جیسا کہ سفیان ثوری نے کیا ہے۔ واللہ اعلم (سفیان ثوری والی روایت تو نہیں ملی لیکن سفیان بن عیینہ سے ایسا ثابت ہے۔ دیکھئے مسند الحمیدی: ۵۲، اور الکفایہ ص ۲۲۵)

دوسری فرع (۴): اگر کسی کتاب میں اپنا سماع اپنے خط یا کسی قابلِ اعتماد شخص کے خط سے پالے لیکن اسے اپنا سماع یاد نہ ہو تو ابوحنیفہ [1] اور بعض شوافع سے مروی ہے کہ اس کے لئے اس کی روایت جائز نہیں ہے۔ عام مذہبِ شافعی یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ محمد بن الحسن (بن فرقد الشیبانی) اور (قاضی) ابو یوسف اسی کے قائل ہیں۔ [1]

....

(۱) ان اقوال کے ثبوت میں نظر ہے۔ واللہ اعلم

اس میں غالب گمان پر اعتماد ہے جس طرح کہ ہر حدیث کے لئے سماع کا یاد ہونا شرط نہیں ہے اسی طرح اصل کتاب کے لئے بھی سماع کا یاد ہونا شرط نہیں ہے۔

[میں (ابن کثیر) نے کہا: یہ اس کے مشابہ ہے کہ راوی جب اپنا سماع بھول جائے تو وہ جس سے سُن لے اس کی روایت جائز ہے۔ اس کا بھولنا مضر نہیں ہے۔ واللہ اعلم]

دوسری فرع (۵): حدیث کی روایت بالمعنیٰ

اگر راوی معانیِ حدیث کا عالم اور پہچاننے والا نہ ہو تو بالاتفاق اس حالت میں اس کا روایت بیان کرنا جائز نہیں ہے۔

اگر وہ اس کا عالم ہو، الفاظ جس پر یہ دلالت کرتے ہیں اور مترادف الفاظ وغیرہ کی بصیرت رکھتا ہو تو جمہور سلف صالحین اور اَخلاف (بعد میں آنے والوں) نے اسے جائز قرار دیا ہے اور اسی پر عمل ہے جیسا کہ صحیح احادیث وغیرہ میں مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ ایک ہی واقعہ بہت سے الفاظ اور مختلف جدا طریقوں سے مروی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے بعض حدیثیں (متن کے لحاظ سے) بدل جاتی ہیں لہٰذا دوسرے کئی محدثین، فقہاء اور علمِ اصول کے ماہرین نے روایت بالمعنیٰ سے منع کیا ہے اور انھوں نے اس میں بہت زیادہ سختی کی ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ یہی (مذہب) اختیار کیا جاتا مگر اس پر اتفاق نہ ہو سکا۔ واللہ اعلم

(سیدنا) ابن مسعود، ابوالدرداء اور انس (بن مالک الانصاری) رضی اللہ عنہم جب حدیث بیان کرتے تو فرماتے: ''یا اس جیسا'' ''اس کے مشابہ'' یا ''اس کے قریب'' (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔)

دوسری فرع (۶): کیا حدیث کو مختصر یا بعض حصہ حذف کر کے بشرطیکہ محذوف کا مذکور سے لازمی تعلق نہ ہو، بیان کرنا جائز ہے؟ اس کے بارے میں دو اقوال ہیں:

(امام) ابوعبداللہ البخاری کا طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ بہت سے مقامات پر حدیث کو مختصر بیان کر دیتے ہیں۔ مگر (امام) مسلم حدیث کو کاٹتے نہیں بلکہ پوری حدیث بیان کر دیتے ہیں۔ اس وجہ سے بہت سے مغربی (اندلسی) حفاظِ حدیث نے اسے (صحیح مسلم کو) ترجیح دی

ہے۔صحیح بخاری کی بہ نسبت آسانی کی وجہ سے انھوں نے بہ آرام اس کی شروحات لکھی ہیں۔ امام بخاری تو حدیث کو حسبِ ضرورت مختلف مقامات پر پھیلا دیتے ہیں۔

قدیم وجدید زمانے کے جمہور علماء اسی مذہب پر ہیں کہ (حدیث کو مختصر کرکے بیان کرنا) جائز ہے۔ابن الحاجب نے اپنی کتاب ''المختصر'' میں کہا:

''مسئلہ: اکثریت کے نزدیک حدیث کا بعض حصہ حذف کردینا جائز ہے اِلا یہ کہ محذوف حصے میں حدیث کی انتہا یا استثناوغیرہ موجود ہو (تو جائز نہیں ہے)۔ [منتہی الوصول ص ۸۵]

اگر (متن وسند میں) کسی زیادت کے بارے میں شک ہوجائے تو اسے حذف کرنا جائز ہے۔عام طور پر اسی پر عمل ہے۔مالک (رحمہ اللہ) احتیاط کرتے ہوئے ایسا (اختصار) بہت زیادہ کرتے تھے بلکہ جب آپ کو سند کے موصول ہونے میں شک ہوتا تو سند بھی کاٹ دیتے تھے۔

مجاہد (تابعی) نے کہا: حدیث کو کم کردو مگر اس میں زیادتی نہ کرو۔

(المحدث الفاصل للرامہرمزی ص ۵۴۳ رقم ۷۱۵، الکفایہ ص ۱۸۹، وسندہ صحیح)

دوسری فرع (۷): حدیث کے طالب علم کو عربی زبان کا عالم ہونا چاہئے۔

(عبدالملک بن قُریب) الاصمعی نے کہا: مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر وہ عربی نہیں جانتا تو آپ (ﷺ) کے اس ارشاد میں داخل ہوجائے گا: جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانا آگ میں بنالے۔کیونکہ نبی ﷺ زبان بولنے میں لحن (غلطی) نہیں کرتے تھے۔ (۱)

رہی تصحیف (لکھنے پڑھنے کی غلطی) تو اس کا علاج یہ ہے کہ ماہر اساتذہ سے سُن کر علم حاصل کیا جائے اور اللہ توفیق دینے والا ہے۔

....

(۱) روضۃ العقلاء لابن حبان (ص ۲۲۳) اس کی سند سہل بن ہانی (کے نامعلوم ہونے) کی وجہ سے ضعیف ہے۔قاضی عیاض کی الالماع (ص ۱۳۰) اور خطابی کی غریب الحدیث میں اس کی دوسری سند بھی ہے لیکن اس میں ''بعض اصحابنا'' مجہول ہے۔

اگر استاذ سے غلطی ہو جائے تو سننے والے کو چاہئے کہ صحیح طریقے سے روایت بیان کرے۔ یہی بات اوزاعی، ابن المبارک اور جمہور سے مروی ہے۔

(دیکھئے الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع ۲/ ۲۳)

محمد بن سیرین اور ابو معمر عبداللہ بن سَخْبَرہ سے مروی ہے کہ انھوں نے کہا: جس طرح استاذ سے غلط سُنا ہے اُسی طرح غلط بیان کرے۔(۱)

ابن الصلاح نے کہا: یہ اتباعِ الفاظ میں غلو والا مذہب ہے۔

قاضی عیاض نے کہا: عام شیوخ کا اسی پر عمل جاری ہے کہ جس طرح اُن تک روایت پہنچی ہے اُسی طرح آگے بیان کر دیں۔ وہ اپنی کتابوں میں اسے تبدیل نہیں کرتے حتیٰ کہ قرآن کی قراءات میں بھی اُن کا یہی عمل ہے۔

(عام) تلاوت کے خلاف ان کی روایت جاری رہتی ہے۔ بغیر اس کے کہ یہ شاذ قرار دیا جائے جیسا کہ صحیحین اور موطأ میں پایا جاتا ہے لیکن حدیث کی معرفت رکھنے والے سماع کے وقت اور حواشی میں اس کے بارے میں تنبیہ کر دیتے ہیں۔ (دیکھئے الالماع ص ۱۳۱، ۱۳۲)

بعض لوگ کتابوں میں تبدیلی اور اصلاح کی جرأت شروع کر دیتے ہیں جیسا کہ ابوالولید ہشام بن احمد الکنانی الوقشی (الاندلسی) نے کثرتِ مطالعہ اور فنون پر مہارت کی وجہ سے یہ کام کیا۔

(ابن الصلاح نے) کہا: انھیں (الوقشی کو) کئی چیزوں میں غلطی لگی اور اسی طرح ان کا طرزِ عمل اختیار کرنے والوں کو غلطیاں لگتی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تبدیلی اور اصلاح کا دروازہ ہی بند کر دیا جائے تاکہ جو ماہر نہیں ہے وہ اس کی جرأت نہ کرنے لگے اور سماع کے وقت اس پر

....

(۱) اس کے ثبوت میں نظر ہے۔ نیز دیکھئے المحدث الفاصل (ص ۵۳۵) جامع بیان العلم لابن عبدالبر (۱/ ۸۰) اور کتاب العلم لابن ابی خیثمہ (رقم ۱۳۴) تاہم یہ ثابت ہے کہ امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ روایت باللفظ کے قائل تھے اور اس میں تشدد کرتے تھے۔

تنبیہ کر دینی چاہئے۔

عبداللہ بن احمد بن حنبل سے مروی ہے کہ ان کے والد (امام احمد بن حنبل) فاحش غلطی [1] کی اصلاح کر دیتے تھے اور ہلکی پھُلکی غلطی سے درگزر فرماتے تھے۔

(الکفایہ ص ۱۸۷، وسندہ ضعیف لانقطاعہ)

میں (ابن کثیر) نے کہا: بعض لوگ جب اپنے استاد سے لحن والی روایت سنتے ہیں تو اس سے روایت ہی ترک کر دیتے ہیں کیونکہ وہ اس کی اتباع کریں تو (سب جانتے ہیں کہ) نبی ﷺ اپنے کلام میں لحن نہیں کرتے تھے اور اگر صحیح طریقے سے بیان کریں تو (یہ جھوٹ ہے کیونکہ) انھوں نے ایسا نہیں سُنا تھا۔

فرع (۸): جو معلوم (ومشہور) چیز سند یا متن سے گر جائے تو اس کے لکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی طرح اگر کتاب کا کچھ حصہ ضائع ہو جائے تو صحیح طریقے سے اس کی تجدید کرنا جائز ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اور اللہ جانتا ہے کہ کون فسادی ہے اور کون اصلاح کرنے والا ہے۔ [البقرہ:۲۲۰]

دوسری فرع (۹): جب راوی دو استادوں یا زیادہ سے روایت بیان کرے اور ان کے الفاظ میں اختلاف ہو تو اگر وہ سب کا متن اکٹھا کر دے تو ایسا کرنا جائز ہے جیسا کہ زہری نے اِفک والی حدیث میں کیا ہے۔ اسے انھوں نے سعید بن المسیب اور عروہ (بن الزبیر) وغیرہما سے انھوں نے (سیدہ) عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے بیان کرتے ہوئے کہا: ''ان سب نے مجھے حدیث کا کچھ کچھ حصہ سُنایا ہے۔ ان کی روایات ایک دوسرے میں داخل ہو (کر ایک متن بن) گئی ہیں۔'' پھر انھوں نے سارا متن اکٹھا بیان کر دیا۔ یہ عمل جائز ہے کیونکہ اسے (تمام) اماموں کی تلقی بالقبول حاصل ہے۔ انھوں نے اسے اپنی کُتبِ صحاح

....

(۱) فاحش غلطی کی اصلاح کی مثال یہ ہے کہ ''قال عائشة رضي الله عنه'' اس کی فوراً اصلاح کر کے ''قالت عائشة رضي الله عنها'' لکھ دینا چاہئے۔

وغیرہ میں روایت کیا ہے۔ [1]

راوی کو چاہئے کہ ہر ایک کی روایت کو علیحدہ علیحدہ، کمی بیشی اور حدثنا أخبرنا وأنبأ نا وغیرہ کے ساتھ بیان کرے۔

(امام) مسلم اپنی کتاب صحیح مسلم میں مبالغہ کرتے ہوئے اس کا خاص خیال رکھتے ہیں جبکہ (امام) بخاری عام طور پر اس کا خاص خیال نہیں رکھتے اور نہ توجہ دیتے ہیں۔ وہ بعض مقامات پر اس کا خیال رکھتے ہیں اور یہ نادر ہے۔ (مثلاً دیکھئے صحیح بخاری: ۵۵۸۷)

فرع (۱۰): اپنی طرف سے صراحت کرکے راوی کے نسب میں اضافہ کرنا جائز ہے اور یہی بات (امام) احمد بن حنبل اور جمہور محدثین سے مروی ہے۔ واللہ اعلم

(دیکھئے الکفایہ ص ۲۱۵، وسندہ ضعیف عن احمد لانقطاعہ)

فرع (۱۱): محدثین کی یہ عادت جاری رہی ہے کہ جب وہ قراءت کرتے تو یہ کہتے تھے:

''مجھے فلاں نے خبر دی، کہا: ہمیں فلاں نے خبر دی، کہا: ہمیں فلاں نے خبر دی''

ان میں سے بعض ''قال'' (کہا) کا کلمہ (لکھتے وقت) حذف کردیتے تھے اور اکثریت کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ جو حدیثیں ایک سند سے ہوں مثلاً ''**عبدالرزاق عن معمر عن همام عن أبي هريرة**'' کی سند والا نسخہ ''**محمد بن عمرو عن أبي سلمة عن أبي هريرة**'' والا نسخہ ''**عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده**'' والا نسخہ ''**بهز بن حكيم عن أبيه عن جده**'' وغیرہ والے نسخے تو راوی کے لئے جائز ہے کہ ہر حدیث کے وقت سند دوبارہ بیان کردے اور یہ بھی جائز ہے کہ پہلی حدیث کے ساتھ سند بیان کرکے باقی حدیثوں میں ''اسی سند کے ساتھ'' اور ''اسی کے ساتھ روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

....

(۱) معلوم ہوا کہ امام زہری کی بیان کردہ حدیث اِفک بالاجماع صحیح ہے اور اسے ساری امت نے تلقی بالقبول کا درجہ دیا ہے لہٰذا عصرِ حاضر کے بعض نواصب اور منکرینِ حدیث کا اس پر جرح کرنا مردود ہے۔
حدیث الافک کے لئے دیکھئے صحیح بخاری (۲۶۶۱) اور صحیح مسلم (۲۷۷۰)

فرمایا ہے'' کہہ دے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس نے جیسے سُنا ہے اُسی طرح بیان کرے اور ہر حدیث کے ساتھ سند بیان کرنا بھی جائز ہے۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: یہ معاملہ بہت آسان (اور ہر لحاظ سے جائز) ہے۔ واللہ اعلم

اگر متن کو سند سے پہلے بیان کردے جیسے کہے کہ ''رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے یہ فرمایا ہے'' پھر ''أخبرنا'' کہہ کر اس کی سند بیان کرے تو کیا راوی کے لئے جائز ہے کہ پہلے سند بیان کرے اور پھر متن بیان کرے؟ اس میں اختلاف ہے جسے خطیب اور ابن الصلاح نے ذکر کیا ہے۔ (دیکھئے الکفایہ ص ۲۱۱، ۲۱۲ و مقدمہ ابن الصلاح ص ۲۰٦)

میرے نزدیک اس کا جائز ہونا ہی زیادہ بہتر ہے۔ واللہ اعلم

اسی لئے ہمارے زمانے کے محدثین حدیث کی روایت کے بعد شیخ کی سند دہرا دیتے ہیں کیونکہ بعض لوگوں سے کوئی چیز رہ جاتی ہے تو اس طریقے سے اس کا شیخ سے سماع متصل ہو جاتا ہے۔

اس کے لئے جائز ہے کہ جیسے چاہے روایت کرے، سند پہلے بیان کردے یا بعد میں۔ واللہ اعلم

فرع (۱۲): جب اپنی سند سے ایک حدیث بیان کرے پھر اس کے بعد دوسری سند ذکر کر کے آخر میں ''مثله'' یا ''نحوه'' کہہ دے اور یہ شخص ثقہ حافظ ہو تو کیا دوسری سند کے ساتھ پہلی حدیث کے الفاظ بیان کرنے صحیح ہیں؟

شعبہ کہتے ہیں: نہیں، اور ثوری کہتے ہیں: جی ہاں، ان سے وکیع نے نقل کیا ہے۔

(دیکھئے الکفایہ ص ۲۱۳ و سندہ صحیح)

یحییٰ بن معین نے کہا: ''مثله'' والے قول میں یہ جائز ہے اور ''نحوه'' میں جائز نہیں ہے۔

(الکفایہ ص ۲۱۳، اس کی سند محمد بن حمید بن سہل المخرمی کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

خطیب نے کہا: اگر روایت بالمعنیٰ کو جائز کہا جائے تو مثلہ اور نحوہ میں کوئی فرق نہیں ہے، اور اس کے باوجود میں ابن معین کے قول کو اختیار کرتا ہوں۔ واللہ اعلم (الکفایہ ص ۲۱۴)

اگر ایک سند بیان کر کے بعض حدیث ذکر کرے، پھر کہے: ''**الحدیث**'' ''**الحدیث بتمامه**'' یا ''**بطوله**'' یا ''**إلٰی آخره**'' (**إلخ**) جیسا کہ عام راویوں کی عادت ہے تو کیا سننے والا اس سند کے ساتھ ساری حدیث بیان کر سکتا ہے؟

بعض نے اس کی اجازت دی اور بعض نے اس سے منع کیا جن میں استاذ ابو اسحاق الاسفرائنی الفقیہ الاصولی بھی ہیں۔

ابو بکر البرقانی نے اپنے شیخ ابو بکر الاسماعیلی سے اس کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے کہا: اگر شیخ اور پڑھنے والا دونوں حدیث جانتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ یہ جائز ہے اور بہتر یہی ہے کہ یہ فرق واضح بیان کیا جائے۔ (الکفایہ ص ۳۱۱)

ابن الصلاح نے کہا: جب ہم اسے جائز قرار دیں تو متحقق یہی ہے کہ اس کے ساتھ مضبوط وموکد اِجازت ہو۔

میں (ابن کثیر) نے کہا: اس میں تفصیل بیان کرنی چاہئے۔ اگر اس نے حدیثِ مذکور کو اسی استاذ سے اسی مجلس یا کسی دوسرے وقت سُنا ہے تو روایت جائز ہے۔ جس کا بیان گزر چکا اور سماع ثابت ہو چکا ہے یہ اس کے لئے اشارہ ہو جائے گا (ورنہ نہیں۔) واللہ اعلم

فرع (۱۳): رسول کا لفظ نبی سے اور نبی کا لفظ رسول سے بدلنا۔

ابن الصلاح نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے اور اگر چہ روایت بالمعنیٰ جائز ہے یعنی ان کے معنوں کے درمیان اختلاف ہے۔

عبداللہ بن احمد سے منقول ہے کہ ان کے والد (امام احمد بن حنبل) اس بارے میں سختی کرتے تھے۔ اگر کتاب میں نبی کا لفظ ہوتا اور محدّث رسول لکھ دیتا تو آپ رسول کو کاٹ کر نبی لکھتے تھے۔ (الکفایہ ص ۲۴۴ وسندہ صحیح)

خطیب نے کہا: آپ کا یہ فعل استحباب پر محمول ہے کیونکہ آپ کا مسلک یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ (الکفایہ ص ۲۴۴)

صالح (بن احمد بن حنبل) نے کہا: میں نے اپنے والد سے اس کے بارے میں پوچھا تو

انھوں نے کہا: میرا خیال ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

(الکفایہ ص۲۴۴ وسندہ صحیح، ابوطالب علی بن محمد بن احمد بن الجہم الکاتب ثقہ)

مروی ہے کہ حماد بن سلمہ کے سامنے عفان (بن مسلم) اور بہز (بن اسد) یہ کام کرتے تھے تو انھوں نے کہا: تم دونوں کبھی فقیہ نہیں بنو گے۔ (الکفایہ ص۲۴۴، ۲۴۵ وسندہ ضعیف، فیہ شیخ مجہول)

فرع (۱۴): حالتِ مذاکرہ والی روایت، کیا اس کی روایت جائز ہے؟

ابن الصلاح نے ابن مہدی، ابن المبارک اور ابوزرعہ (رازی) سے نقل کیا ہے کہ اسے بطورِ حدیث بیان کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس میں تساہل پایا جاتا ہے اور حافظہ دھوکا دے جاتا ہے۔ (۱)

ابن الصلاح نے کہا: اسی لئے بڑے حفاظِ حدیث نے یاد کردہ روایت کو کتاب کے بغیر بیان کرنے سے منع کیا ہے جن میں احمد بن حنبل بھی شامل ہیں۔ (الجامع لاخلاق الراوی:۱۰۳۱، وھو حسن)

(ابن الصلاح نے) کہا: جب اسے بطورِ حدیث بیان کرے تو یہ کہے: ''فلاں نے ہمیں یہی حدیث مذاکرے کے طور پر یا مذاکرے میں سُنائی'' اسے مطلقاً (اس صراحت کے بغیر) بیان نہ کرے ورنہ وہ ایک قسم کی تدلیس کا مرتکب ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

اگر حدیث دو راویوں سے مروی ہو تو یہ جائز ہے کہ ان میں سے ثقہ کا ذکر کر کے دوسرے کو گرا دے، چاہے وہ گرایا جانے والا ثقہ ہو یا ضعیف۔

(امام) ابن لہیعہ کے بارے میں مسلم ایسا عام طور پر کرتے تھے۔ رہے (امام) احمد بن حنبل تو وہ اسے گرانے کے بجائے ذکر کرتے تھے۔ واللہ اعلم

....

(۱) ☆ قول عبدالرحمٰن بن مہدی (الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع: ۱۱۱۰، اس کی سند ابراہیم بن محمد الکندی کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ ح ۱۱۱۱، اس کی سند شعیب بن علی القاضی کے نامعلوم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

☆ قول عبداللہ بن المبارک (الجامع لاخلاق الراوی: ۱۱۱۲، اس کی سند محمد بن الحسن الہاشمی، احمد بن حسن بن عثمان القاضی اور احمد بن محمد بن سلیمان التستری کی وجہ سے ضعیف ہے۔)

☆ قول ابی زرعۃ الرازی (الجامع لاخلاق الراوی: ۱۱۱۳، وسندہ صحیح)

مومنین کے اوصاف

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾
مومنین کی بات تو یہ ہے کہ جب انھیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے، تا کہ ان کے درمیان فیصلہ کیا جائے، تو وہ کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور یہی لوگ کامیاب ہیں۔ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ سے ڈرے اور (گناہوں سے) دُور رہے تو یہی لوگ کامیاب و کامران ہیں۔ (النور:۵۱، ۵۲)

☆ تمام مسائل و اُمور کا فیصلہ اللہ اور اُس کے رسول کے احکامات کی روشنی میں کرنا چاہئے۔
☆ اللہ تعالیٰ کے حکم اور رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث کے آجانے کے بعد اُس سے اعراض کرنا اور اُس کی خودساختہ تأویل کرنا، مومنین کی شان نہیں ہے۔
☆ مومنین کتاب و سنت کے مطابق زندگی گزارنے کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے ہیں۔
☆ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی و کامرانی کا راز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو اُس نے یقیناً (جنت میں داخل ہونے سے) انکار کیا۔ (صحیح بخاری: ۷۲۸۰، مختصراً)
☆ اللہ تعالیٰ سے اپنی سابقہ زندگی کے بارے میں ڈرتے رہنا چاہئے اور باقی ماندہ زندگی تقویٰ کے ساتھ گزارنی چاہئے۔ ☆ مومنین دنیا میں بھی کامیاب ہوں گے اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُن کو جہنم کی آگ سے بچا کر جنت میں داخل کرے گا۔ (ان شاء اللہ)
☆ مومنین جنت میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوں گے۔

حافظ زبیر علی زئی

صحیح حدیث وحی ہے

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الذِّكۡرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيۡهِمۡ وَلَعَلَّهُمۡ يَتَفَكَّرُوۡنَ ﴾ اور ہم نے آپ کی طرف ذِکر نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے سامنے اسے بیان کر دیں جو نازل کیا گیا ہے اور شاید وہ غور وفکر کریں۔ (النحل:۴۴)

دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿ ثُمَّ اِنَّ عَلَيۡنَا بَيَانَهٗ ﴾ پھر اس کا بیان ہمارے ذمہ ہے۔ (القیامۃ:۱۹)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((و إنما كان الذي أوتيت وحيًا أوحاه الله إلي.)) مجھے جو دیا گیا ہے وہ وحی ہے جسے اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ (صحیح بخاری:۴۹۸۱، صحیح مسلم:۱۵۲)

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ((فأوحي إلي أنكم تفتنون في قبوركم .))
پس میری طرف وحی کی گئی ہے کہ تمھیں قبروں میں آزمایا جاتا ہے.... (صحیح بخاری:۸۶)

ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اور بے شک اللہ نے میری طرف وحی کی ہے کہ (لوگو!) تواضع اختیار کرو حتیٰ کہ کوئی کسی دوسرے پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی دوسرے پر ظلم نہ کرے۔ (صحیح مسلم:۲۸۶۵، دارالسلام:۷۲۱۰)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ألا إني أوتيت الكتاب ومثله معه .)) سن لو! مجھے کتاب اور اس کی مثل (وحی ٔحدیث) عطا کی گئی ہے۔ (مسند احمد ۴/۱۳۰، ۱۳۱ ح ۱۷۱۷۴، وسندہ صحیح)

اس میں مثل سے مراد وحی غیر متلو (یعنی حدیث) ہے۔ (دیکھئے عون المعبود ج ۴ ص ۳۲۸ ح ۴۶۰۴)

مشہور ثقہ تابعی حسان بن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جبریل (علیہ السلام) رسول اللہ ﷺ کے پاس سنت (حدیث) لے کر (ایسے) نازل ہوتے جیسے قرآن لے کر نازل ہوتے تھے اور وہ آپ کو جس طرح قرآن سکھاتے، اُسی طرح یہ بھی (سنت/ حدیث) سکھاتے تھے۔ (السنۃ للامام محمد بن نصر المروزی:۱۰۲، وسندہ صحیح)

حدیثِ رسول کے وحی غیر متلو ہونے پر علمائے کرام کے اقوال کے لئے دیکھئے فتح الباری (۱۵/۴، تحت ح ۱۸۱۴) اور الاحکام لابن حزم (۵۰۹/۲)